اِنّ من الشعرِ لحکمۃً واِنّ من البیان لسحرًا

حصۂ اول

کلیاتِ اکبر الٰہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالی جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج فیلو آنریری الہ آباد یونیورسٹی

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پرپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپا

بار دہم

اگست ۱۹۳۱ء

قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

حصّہ اوّل

کلیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالی جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج۔ آنریری فیلو الہ آباد یونیورسٹی

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپا

بار ہشتم

اگست ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہو۔ کریگا حفاظت مری خدا میرا
رہوں جو حق پہ مخالف کرینگے کیا میرا

خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ
تو ذرّہ ذرّۂ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقتِ ہستی یہ مشتِ خاک نہیں
بجا ہی مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا

اُنھیں ہی عقل جو محتاجِ غیر ہی ہر دم
مجھے ہی عشق کہ جو خود ہی مدّعا میرا

غرور اُنھیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہی اکبرؔ
سوا خدا کے سب ان کا ہی اور خدا میرا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہی ہمیں مرشد نے
کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

سید اُٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو اِک اِک سے سوا ہیں اکبرؔ
مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

عنایت تخلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا
غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے باخدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے
مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

جو وقت ہے وہ یہ ہے دل نہیں ہے میری کہنے میں
مجھے تسلیم ہے ارشاد واعظ کا بجا ہونا

خدا بنتا تھا منصور اسلئے مشکل یہ پیش آئی
نہ کھنچتا دار پر ثابت اگر کرتا جدا ہونا

بچاتا ہے ہزاروں کفر سے اے واعظ ناداں
بلائے دام گیسوئے بتاں میں مبتلا ہونا

مجھے جوش طبیعت سے ہوا شوق گناہ آخر
عجب کیا ناز سکھلائے اگر اُن کو خفا ہونا

صفات حق تعالیٰ فہم منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

خدا اُنسے ملائے تو نہایت ہی خوش آئیگا
نیا عہد وفا باندھنا گذشتہ کا گلا ہونا

طریق مغربی کی کیا یہی رشد ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محو ما سوا ہونا

دلیل خود بیں کو یہ پوچھتی ہے کہ تم مسلم مگر خدا کیا
دل اسکے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اسکے ہوتے یہ ماسوا کیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جو بات تھی دل میں صاف کہہ دی
اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لرزتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولے پن پہ
خدا کی دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ بت خدا کیا

جو تمھارے لب جاں بخش کا شیدا ہوگا
اُٹھ بھی جائیگا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالب دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا کہ جسنے تمھیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مری شان جنوں کے آگے
اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندا ہوگا

لعل لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر
ڈر یہ ہے خون جگر ہجر میں پینا ہوگا

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا
میں مریض ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شان محبوبی صانع کا نشاں رکھا ہے یہ
ورنہ کیا تھا جسنے دل میں درد پیدا کر دیا

دین سے اتنا الگ حد فنا سے یوں قریب
اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگ دنیا کر دیا

ہوتے ہیں غفلت جوانی میں تو لذت دیگئی
ہاں مگر پیری میں اُس نے مجھ کو رُسوا کر دیا

کیا مرے اک دل کو خوش کرنے پہ وہ قادر نہیں
ایک کُن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

بے تمہارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں
سچ بتاؤ جانِ جاں تم نے مجھے کیا کر دیا

رکھے سب باہر رہے ہم وہم و خرد ہوش و تمیز
خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کر دیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے
بھوک نے نانِ جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

یوسفِ معنی کے جلووں کو دکھا کر عشق نے
میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کر دیا

ق
شاہد بزم ازل نے اک نگاہ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزا رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں اُس سے کیا کہوں
اُس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

بے غرض ہو کر مزے سے زندگی کٹنے لگی
ترکِ خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اُڑانا اہلِ یورپ کا تو ہو اکبر محال
مفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

نعت

دُر فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ارسطو سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیت الفت
مجھے معلوم ہے سن لے اثر مہلک مزا اچھا

نقاب انکے رخِ رنگیں سے اُٹھا عین محفل میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

ہٹایا زلف کو انکے رخِ رنگیں سے گلشن میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

دلا کر جھوٹی امیدیں دلوں کو خون کرتے ہو
نہ یہ طرز ادا اچھی نہ یہ شوق جفا اچھا

نہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا
جو سچ پوچھو تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

ابھی بیمار ہیں سب کر رہے ہیں قول و عہد اکبر
اسی کوچے میں پھر ہو پہنچینگے ہونے دو ذرا اچھا

تصوف کے بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
معانی کچھ نہ سمجھا پر قیامت کا مزا پایا

جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو
عروس دہر ہمنے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا
یا وہ کو بھلا دینا یا میں کو مٹا دینا

مستوں کو حقیقت کا اک جلوہ دکھا دینا
موج مے وحدت کو آئینہ بنا دینا

ہجر میں خون جگر آخر کو پینا ہی پڑا
موت بھی آئی نہیں مجبور جینا ہی پڑا

قلب انساں میں کبھی پڑ جاتی ہے اک نیک بات
جب پڑا لیکن تمھارے دل میں کینا ہی پڑا

وضع ان کی دیکھ کر لازم ہوئی قطع امید
کل ستم کی چل رہی تھی منہ کو سینا ہی پڑا

تجربے کے بعد نسخے سے کٹا آخر گلاب
لخلخے میں تیرے عارض کا پسینا ہی پڑا

دل بھی کانپا ہونٹھ بھی تھرائے شرمایا بھی خوب
شیخ کو لیکن تری مجلس میں پینا ہی پڑا

الفت احمد پئے تکمیل ایماں تھی ضرور
راہ حق جوئی میں اے اکبر مدینا ہی پڑا

اُردو میں وزن قاآنی کا نمونہ

تصور اسکا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا
نہ بحث این و آں رہی نہ شور ما سوا رہا

زبان خلق پر بس اک فسانۂ فنا رہا
نہ ہم رہے نہ دل رہا نہ دل کا مدعا رہا

نئے بنائے ساز عیش چرخ نے سدا مگر
فنا کی دھن پہ مستقل جہاں بے بقا رہا

پردا تو ڑا آپ نے اس بت کو آیا کر دیا
خود پری تھی اب اسے پریوں کا سایا کر دیا

کر گئے تھے حضرت سید عقیدوں کو درست
چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لیمپ کی
بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو، جلایا کر دیا

ہم کو زیر آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
منزل ہستی میں لگنے کو ٹھہرنا ہی پڑا
موت کے عشوؤں کے آگے ناز منطق کچھ نہ تھا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا
جانتی تھی قوت اپنی مدت عمر عروج
بحر میں لیکن حبابوں کو ابھرنا ہی پڑا

خوان فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا
ساغر مے ہے سامنے شیخ سے کہہ رہی ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مرد خدا چڑھا بھی جا
اے دل باتمیز و ہوش خرم کا کام یاں نہیں
لطف فریب حسن اٹھا فقر و نیں اُنکو آ بھی جا

بنائے کار جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہمیشہ ہمنے یہاں انقلاب ہی دیکھا
ہم انقلاب کے شائق نہیں زمانے میں
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشق حبیب ہونا
یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا
ادھر وہی طبع کی نزاکت ادھر زمانہ کی آنکھ بدلی
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا
عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقام حیرت
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا
رسول اکرم کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بہ آخر
وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا
جو دل پہ گذرے ہے کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
فقیہ ہونیکی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا
رہ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل اور چشم پرنم
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا
نظر کر انکی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو سب سے
عجب نہیں عاشقان رب سے ظہور کار عجیب ہونا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اسکے سوا بتاؤں کیا تم سے کام اپنا
رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا
اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا
یہ دھوم دھام کیسی شوق نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا
بے عشق کی جوانی کٹنی نہیں مناسب
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہوگیا — وہ زنانے میں گھسے مہمان رخصت ہوگیا
مے انھوں نے پی اب انکے پاس کیونکر دل لگے — جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہوگیا
فرق ظاہر ہوگیا جب سے قلم اور تیغ کا — دل میں انشا کا تھا جو ارمان رخصت ہوگیا
کہدیا تھا میں نے کٹجائیں جو ناقص شعر ہوں — یہ نتیجہ تھا کہ کل دیوان رخصت ہوگیا

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا — دلکو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا
آئیگی تجھ کو نظر صانع عالم کی جھلک — سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے سوا
تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں پیدا دفتر — ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جلوہ نظر آیا نہیں اے یار تمھارا — تڑپا ہی کیا طالب دیدار تمھارا
بڑھنے تو ذرا دو اثر جذبۂ دل کو — قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمھارا
دم بھر کیلئے آکے اُسے شکل دکھا جاؤ — مہمان دم چند ہے بیمار تمھارا
ہر دم نظر شوق کیا کرتا ہوں تم پر — ہر وقت میں رہتا ہوں گنہگار تمھارا
صدمے شب فرقت کے اُٹھائے نہیں جاتے — اب موت کا طالب ہے طلبگار تمھارا
عازم ہو تم اے حضرت دل کوئے بتاں کے — اللہ رہے یار و مددگار تمھارا
کس ناز سے کہتا ہے شب وصل وہ ظالم — برہم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمھارا

اکبر کی تمناؤں سے کہتا ہے یہ گردوں
اس دور سے اُٹھنے کا نہیں بار تمھارا

بُتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا — بُت تو اچھے تھے برہمن درپئے آزار تھا
اکبر مرحوم کتنا بے خود و سرشار تھا — ہوش ساری عمر اُس کی زندگی پر بار تھا
نزع میں آئی تجلی روئے جاناں کی نظر — زہر سمجھے تھے جسے وہ شربت دیدار تھا
دل ہی دل میں ہو لیے مست مے منصور ہم — شرع میں رکنے کا خطرہ تھا نہ خوف دار تھا
خانۂ تن کی خرابی کا میں کرتا رنج کیا — گوہر جاں پر فقط اک گرد کا انبار تھا

رنگ گلزار جہاں کا قدرداں مجھ سا تھا کوں
جو گل رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

فسوں بت سے بچا بند باب دیر رہا
خدا نے فضل کیا طفل دل بخیر رہا

تعجب آتا ہو اُن کے مذاق پر مجھ کو
یہ چمن خزاں میں بھی جن کا محل سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بت پرستی کے
نہ بُت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات
خیر خواہی وہ نہیں ہو جو ہو ڈر سے پیدا

رنج دنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ
دل میں تسکیں ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

یہ بُت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا
غنیمت وہ زمانہ ہو کہ میں کافر نہیں ہوتا

ترا ناوک بھی اے صیاد کیا ہی روح پرور ہے
کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے آخر نہیں ہوتا

علوم دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہو دل طاہر نہیں ہوتا

تری چشم فسوں گر کا اشارہ ہے یہ نرگس سے
فقط نظارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا

نہ خلق اسکی خبر لیتی نہ عقل اُسکی مدد کرتی
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا

حضور قلب اگر حاصل نہیں تجھ کو تعجب کیا
خدا جب دل ہی غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہو اکبر کی کہ ہے جسکا اثر اتنا
فسوں کیسا مسلماں آدمی ساحر نہیں ہوتا

یہ سست ہو تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری
پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا

رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہو مناسب
بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا

ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کے روزی
ہے پنٹیر تو پھر کیا رنگریز ہے تو پھر کیا

جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اُسکی چیزیں
یاں تخت ہو تو پھر کیا واں میز ہے تو پھر کیا

حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہے عاقل
ہنری جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا

مفقود ہیں اب اسکے سننے سمجھنے والے
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا

کیسی ہی سلطنت ہو سب خوش نہ رہ سکیں گے
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

منزل وہی ہے جس کو نبیوں نے ہے بتایا
اسٹیم ہے تو پھر کیا ہمیز ہے تو پھر کیا

گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو
کوئی انار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا

اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم
حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا

دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

وہ حجاب اُن کا آج تک نہ گیا
نہ گیا ان کے دل سے شک نہ گیا

اک جھلک ان کی دیکھ لی تھی کبھی
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا

کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر
دیکھئے آخرش کھسک نہ گیا

مے خانۂ رفارم کی چکنی زمین پر
واعظ کا خانداں بھی آخر پھسل گیا

کیسی نماز بال میں ناچو جناب شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا

یہ پاس اور وہ پاس نہ موجد نہ اہل زر
اخبار میں جو چھپ گئے ارمان نکل گیا

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا

پرتو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا
عالم ہے شیفتہ مرے رنگ خیال کا

نظارہ کر رہا ہوں بت بےمثال کا
شان خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا

ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا

اُس مس پہ کون میرے سوا ہو فریفتہ
گاہک میں ہی ہوں ہند میں لندن کے مال کا

رکھنا پڑا ہے اُس بت کافر سے میل جول
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا

الفت میں فرض ہے بت کافر کا اتباع
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا

دور فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے
ہے بس عروج خاتمہ اُسکے زوال کا

اک عکس ناتمام پہ عالم کو وجد ہے
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا

ماضی[۱] تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا

بلبل کی شاخ گل پہ نہ باقی رہے نظر
نشو و نما جو دیکھ لے اس نونہال کا

طریق عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آ گیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
اُسے کشتی نہیں ملتی اِسے ساحل نہیں ملتا

پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا

حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجر گیسو ہے
وہاں پے بل ہے اور یاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا

یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج ان کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

چھپا ہے سینہ و رخ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا

حواس و ہوش گم ہیں بحر عرفان الٰہی میں
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتاب دل مجھے کافی ہے اکبر درس حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

ہستیٔ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا
اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا

وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا

حضرت دل کو چڑھا آیا میں بتخانے میں
اُنکے انداز سے اُن کو اسی قابل سمجھا

ہوئی دنیا میں مرے جوش جنوں کی تکریم
تیرے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا

کافری سہل نہ تھی عشق بتاں کھیل نہ تھا
بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا

ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا

ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اُسکا ستم
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا

اُترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرت گل
شور امواج کو میں شور عنادل سمجھا

[۱] زمانۂ ماضی ۱۲

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی بہ مشکل سمجھا

شیخ نے چشمِ حقارت سے جو دیکھا مجھ کو
بحمداللہ میں اُسے اللہ سے غافل سمجھا

حُسن نے ناز کیے عشق کی تکمیل ہوئی
نہ نظر آپ کی سمجھی نہ مرا دل سمجھا

آپ دیکھیں نہ مجھے اور میں نہ کروں یاد خدا
موت سے آپ نے ایسا مجھے غافل سمجھا

وہ بھی نافہم ہے جو خضر کا طالب نہ ہوا
وہ بھی نادان ہے جو خضر کو منزل سمجھا

نہ کیا یار نے اکبر کے جنوں کو تسلیم
مل گئی آنکھ تو کچھ سوچ کے عاقل سمجھا

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر
کس طرح اُن سے ہمارا حال دیکھا جائیگا

دفترِ دُنیا اُلٹ جائے گا بالکل یک قلم
ذرّہ ذرّہ سب کا اصلی حال دیکھا جائیگا

آفیشل اعمال نامہ کی نہو گی کچھ سند
حشر میں تو نامۂ اعمال دیکھا جائیگا

بچ رہی طاعون سے تو اہلِ غفلت بول اُٹھے
اب تو مہلت ہے پھر اسگلے سال دیکھا جائیگا

نہ کرو صاحب نسب نامہ وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگی شرافت مال دیکھا جائیگا

رکھ قدم ثابت نہ چھوڑ اکبر صراطِ مستقیم
خیر چل جانے دے اُنکی چال دیکھا جائیگا

سینے کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا
اچھا ہوا مزہ تو محبت کا مل گیا

ایسے ستم کئے کہ مرا قلب ہل گیا
اور اسطرح کہ سینہ کا ہر داغ چھل گیا

تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا
بلبل کو وجد آگیا غنچہ بھی کھل گیا

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا

ہوتا ہے انبساط غذائے لطیف سے
غنچے کو دیکھئے کہ ہوا کھا کے کھل گیا

کس نے نگاہِ ناز سے دیکھا ہے اسطرف
فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا

خوش قسمتی یہ اپنی بجا ہے کروں جو ناز
اپنے ہی دل میں مجھ کو مرا رب بھی مل گیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوش دل سے مگر مضمحل گیا

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
تری نظر نہ رہی وہ مرادِ دل نہ رہا

ملا جو خانۂ تن خاک میں تو مِلنے دو
یہ رنج کیا ہے کہ زندان آب و گل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہِ خوش اقبال آگیا
صبر و تقویٰ پہ جو بھاری ہو وہی سال آگیا

الفت گیسو نے آخر دی مرے دل کو شکست
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آگیا

عالمِ فطرت پہ ہے میری نظر بھی اے حکیم
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آگیا

دعویٰ علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہوگیا ساکت مگر جب ذکرِ اقبال آگیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا

رنگ رُخ بہار کی زینت ہوئی نئی
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا

فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
پانی فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا

حد شہرِ عافیت کی نئی طرز پر بندھی
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اس گوہرِ نایاب سے واقف نہیں دُنیا
آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا

خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زلف نے پرتوِ دیں نام کو رہنے نہ دیا
آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا

دو مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
ہم نے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار
دل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

نورِ عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہوگیا

بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
بیوفاؤں سے کوئی کہدے کہ ہاں ہاں ہوگیا

انتشارِ اہلِ معنی فیض سے خالی نہیں
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہوگیا

باعث تسکیں نہ تھا باغ جہاں کا کوئی رنگ
جس روش پر میں چلا آخر پریشاں ہوگیا

خواب راحت بن گیا خوف خدا بعد فنا
حشر میں حسن عمل گلزار رضواں ہوگیا

ان کی صورت دیکھ کر آنے لگی یاد خدا
نور رخ ان کا چراغ راہ عرفاں ہوگیا

دونوں کو تشبیہ دی تھی عارض محبوب سے
آئینہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہوگیا

تیغ کھینچی اُس نے ممنون توجہ ہم ہوئے
حسن وہ افسوں ہی جس سے ظلم احساں ہوگیا

ترک دنیا سے ہوئی جمعیت خاطر نصیب
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہوگیا

طاقت فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی
ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہوگیا

خوان الوان فلک پر کیا مسرت ہو مجھے
گور کا لقمہ ہوا جو اسکا مہماں ہوگیا

فرقت جاناں میں کیسی خوشدلی اے ہمنشیں
انبساط طبع نذر رنج ہجراں ہوگیا

صورت ظاہر میں دل اک قطرۂ خوں تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہوگیا

جس کو کہتے ہیں وہ کہتا ہو کہ یہ سب وہم ہی
اب ہمارا حال بھی خواب پریشاں ہوگیا

بس یہی دولت نہ مجھے دی تو نے اے عمر دراز
سینہ اک گنجینۂ داغ عزیزاں ہوگیا

اور عالم میں ہوں میں اِک فاتحہ خواں بعد مرگ
میں نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہوگیا

بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں
زخم دل کے حق میں ہر غنچہ نمکداں ہوگیا

کر دیا اہل بصیرت فیض ساقی نے مجھے
ساغر مے آفتاب اوج عرفاں ہوگیا

اک نظر کا ہی تعلق اس جہاں سے ہوش کو
سب کا سب اک جنبش مژگاں میں پنہاں ہوگیا

دیکھنا منظور دیں ہوتا تو ہوتا بت پرست
کچھ نہ دیکھا اسکی برکت سے مسلماں ہوگیا

ڈر ہے نے جا اسمیں کی اک سوز پنہاں ہوگیا
للہ الحمد اب مرا دل بھی مسلماں ہوگیا

جلوۂ حسن بتاں آشوب دوراں ہوگیا
اللہ اللہ آفت دین مسلماں ہوگیا

اشک خوں آلود آنکھوں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریک چشم گریاں ہوگیا

رنگ خوں اب صاف آنکھوں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریک چشم گریاں ہوگیا

اُسنے پوچھا ہوگیا آسودہ بوسہ لے کے تو
میں نے ناحق کہدیا جلدی میں جی ہاں ہوگیا

سر بھی کھا جائیگا ظالم جان بھی کھا جائیگا
سخت مشکل ہے کہ ناصح میرا مہماں ہوگیا

انقلاب دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا اب اسکا درباں ہوگیا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفت دل آنکھ تھی دل آفت جاں ہوگیا

قبل ہستی ان عوارض سے بری تھا دل مرا
اس سفر میں مبتلائے دین و ایماں ہوگیا

عظمت خالق نہ سمجھا قدر دل اُسنے نہ کی
جو پڑے لذت مطیع نفس و شیطاں ہوگیا

پوچھتے کیا ہو اصول مذہب رندان عشق
یار کا ارشاد ان کا دین و ایماں ہوگیا

میری قسمت تھی کہ ہر تیا بنا بانگ عسس
بخت دشمن تھا کہ خواب چشم درباں ہوگیا

اس توقع پر کہ تیرے پیرہن میں صرف ہو
ماہ نو بھی چرخ پر شکل گریباں ہوگیا

اُس لب شیریں کے بوسوں نے کیا شیریں سخن
لی زباں انکی جو منہ میں میں زباں داں ہوگیا

کی ترقی چشم بد دور ایسی اپنے رنگ میں
اکبر اب مسند نشین بزم رنداں ہوگیا

کر گئی کام نگاہ مس برے فن کیسا
کج پہ چلے دیر و حرم شیخ و برہمن کیسا

اسکو جگر ہی رہا اور یہ خدا تک پہنچا
دل پر سوز جو ہاتھ آئے تو ابجن کیسا

اصل سے ہو کے جدا نشو و نما کی اُمید
مجھ کو حیرت ہے کہ بوڑھو نہیں یہ بچپن کیسا

خدا کی ہستی تو ہم کو یوں نہیں تھا مطلق گمان ایسا
مگر تمہیں دیکھ کر تو واللہ آگیا مجھ کو دھیان ایسا

وہ چھپ کے پردہ میں سو رہے ہیں فلک سے یہ پوچھتا ہے
بتا تو تیری نظر سے گذرا ہے کوئی خوش رو جوان ایسا

بھلا ہی ہستی ہو جسکو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جنکو گردوں
عجب ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشان ایسا

بھرا ہوا دل جو ذوق سے ہو خدا کی یاد اسمیں شوق سے ہو
وہاں کے جلووں کا پوچھنا کیا مکین ایسا مکان ایسا

دل و جگر کو فراق بت میں حوالہ چشم تر کروں گا
کبھی کسی نے کیا نہ ہوگا کنارہ گنگ وان ایسا

دنیا کے مباحث یہ مری نظر میں نہیں ہیں کیا
اتنا تو کوئی پہلے بتائے مجھے میں کیا

تو کہیے اگر وقعت عاشق نہیں دل میں
یہ کون سی سیکھی ہے زباں آپ نے تین کیا

زلفِ پیچاں کا تصور مجھے کرنا ہی نہ تھا
ہو گئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا

شرم کی جا ہے نہ ہو دل میں جو داغوں کی بہار
سینۂ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا

میری ہر بات کا رُخ ہے طرف عارضِ یار
میرے ہر شعر سے ہیں معنیٔ روشن پیدا

دیدہ و دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبرؔ
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

کوئی ہے دہر میں خونِ جگر کہیں پیتا
کوئی زمانے میں ہے شیر و انگبیں پیتا

میں اُنکی بزم سے اُٹھ آیا قبل دورِ شراب
محلِ شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا

سرورِ روح ہے حاصل ولائے حیدرؓ سے
میں جامِ کوثر و تسنیم ہوں یہیں پیتا

نہ ملتی پشّے کو دنیا میں قوتِ پرواز
اگر یہ خون کسی کا براہِ کیں پیتا

ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ
تری طرح کوئی پانی جو اے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو۔ جو ہوتا ہے اعتراض اکبرؔ
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

شکایت جوشِ الفت سے ہوئی تھی اے حسیں پیدا
تعجب ہے اگر اُس سے ہوئی چینِ جبیں پیدا

فریبِ عقل ظاہر میں ہے یہ سب ورنہ اے اکبرؔ
ہمیں فانی ہمیں باقی ہمیں پنہاں ہمیں پیدا

مری تقریر کا اُس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہِ حبِ قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا

کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساتھی چاہیئے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروانِ بو نہیں چلتا

ستم دورِ گردوں کے سہہ جاؤں گا
جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

دعا ہے کہ مرکر بھی رہ جاؤں کچھ
وگرنہ یونہیں مرکے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا

ذرا تو پختہ شریفوں کو باغ دہر میں دیکھ
انھیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جاکر ذرا اللہ کہدینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہدینا

بہت مشکل ہی بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہی یاروں میں معاذ اللہ کہدینا

مرے خط میں سلام اغیار کو قاصد کیا معنے
نہایت رنج ہے اسکا مجھے واللہ کہدینا

تمھاری مرحبا سے شعر کی ہو جائیگی عزت
نہ نکلے واہ دل سے تو زباں سے واہ کہدینا

اگرچہ تسکیں طبع ملت ہی حب قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہی مگر دلوں کو رجوع سوئے اِلٰہ کرنا

دفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا ثواب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بنائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اپنا تباہ کرنا

کہیں گے تعیین ذات پر ہو نشان دو یا پتا بتاؤ
بتوں کے آگے ہی سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اسکا یہی ہی شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہی دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا

جہان صورت کا ذرہ ذرہ جمال معنی کا آئینہ ہی
مگر انھیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جاکر کہ دیکھیے آکے بزم تسّید
یہ ذوق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا بُرا ہی گناہ کرنا

وہ دورِ چرخ آرہا ہی اکبر کہ اہل تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اُس بت دل خواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہونگا جو اللہ نے چاہا

ساتھ اُن کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اُسنے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واہ نے چاہا

خوشی سے باخبر مٹنے پہ راضی ہو نہیں سکتا
خیال دین و عزت امر ماضی ہو نہیں سکتا

عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو
اُمیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

جس روشنی میں لوٹ ہی کی آپ کو سُوجھے
تہذیب کی میں اُس کو تجلّی نہ کہوں گا

لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو اُبھارے
اُس کو تو میں دنیا کی ترقی نہ کہوں گا

ہے غضب جلوہ دیرِ فانی کا
پوچھنا کیا ہے اُسکے بانی کا

دیدہ ہے محوِ دیرِ فانی کا
دل ہے مشتاق اُسکے بانی کا

جان دیدی غمِ حسیناں میں
حق ادا کر دیا جوانی کا

خوب جی بھر کے ہو لیے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا

کرتے ہیں مجھ سے غیر کا شکوہ
شکر ہے اُن کی مہربانی کا

دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کر کیا ہے زندگی کی بنا
سُوچ کیا حق ہے اُسکے بانی کا

نہ ملا خاک میں عمل اپنے
شوق رکھ فیضِ آسمانی کا

ہوش بھی بار ہے طبیعت پر
کیا کہوں حال ناتوانی کا

قتل سے پہلے ہے کلورا فارم
شکر ہے اُن کی مہربانی کا

شیخ در گور و قوم در کالج
رنگ ہے دورِ آسمانی کا

ق
انجن آیا نکل گیا زن سے
سن لیا نام آگ پانی کا

بات اِتنی اور اُس پہ یہ طومار
غل ہے یورپ پہ جانفشانی کا

علم پُورا ہمیں سکھائیں اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

یوں مری طبع سے ہوتے ہیں معانی پیدا
جیسے ساون کی گھٹاؤں سے ہو پانی پیدا

کیا غضب ہے نگہِ مست مس بادہ فروش
شیخِ فانی میں ہوا رنگِ جوانی پیدا

یہ جوانی ہے کہ پاتا ہے جنوں جس سے ظہور
یہ نہ سمجھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا

بیخودی میں تو یہ جھگڑے نہیں رہتے اے ہوش
تو نے کر رکھا ہے اِک عالمِ فانی پیدا

کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں مل جائیں
راہیں پھر آپ ہی کر لے گی جوانی پیدا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اِک ناوِل کا   میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا
جنگ ہے جرم محبت ہے خلاف تہذیب   ہو چکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھو گئی ہند کی فردوس نشانی اکبرؔ
کاش ہو جائے کوئی ملٹنؔ[سہ] ثانی پیدا

جو ناصح مرے آگے بکنے لگا   میں کیا کرتا منہ اسکا تکنے لگا
محبت کا تم سے اثر کیا کہوں   نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
بدن چھو گیا آگ سی لگ اُٹھی   نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

جو محفل میں اکبرؔ نے کھولی زباں
گلستاں میں بلبل چہکنے لگا

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اسکا بنانیوالا   ظہور آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنیوالا
نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں پھر رُت بدل رہی ہے   صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانیوالا

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب   تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب
قناعت جسکو ہے وہ رزق بایحتاج پر خوش ہے   سمجھ جسکو ہے اس کو بحث بیش و کم سے کیا مطلب
جسے مرنا نہ ہو وہ حشر تک کی فکر میں اُلجھے   بدلتی ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب
مری فطرت میں مستی ہے حقیقت بیں ہے دل میرا   مجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جام جم سے کیا مطلب
خود اپنی ریش میں اُلجھے ہوئے ہیں حضرت واعظ   بھلا ان کو بتوں کے گیسوئے پُرخم سے کیا مطلب
نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے   جناب ڈاردن کو حضرت آدم سے کیا مطلب

صدائے شرع سے مست رہتا ہوں سدا اکبرؔ
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر نبی سے غافل کہاں کے پیر اور امام صاحب   اُنھیں کے در پر جھکی ہے خلقت سلام حضرت سلام صاحب

سہ MILTON ایک مشہور انگریزی شاعر ۱۲

کہاں کی پوجا نماز کیسی کہاں کی گنگا کہاں کا زمزم
ڈٹا ہے ہوٹل کی در پہ ہر اک ہمیں بھی دو ایک جام صاحب

ہزار سمجھاتی ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں نامدار ہوتے
کرو خموشی و نیکبختی سے جا کے تم گھر کا کام صاحب

مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے اُن سے
کبھی کبھی تم حجاب دو کہیں مرا بھی ہو جائے نام صاحب

مری تمہاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں نہیں اب یہاں سے
سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب

اے جان جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

تشبیہ میں دوں کیا اسے رفتار صنم سے
واللہ تری چال ہے اے کبک دری خوب

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں ہوں اس سے بری خوب

کھلتا ہے مرا غنچۂ دل آہ سحر سے
عاشق کے لئے ہے یہ نسیم سحری خوب

منہ کھول کے سویا ہے وہ گل صحن چمن میں
لطف آج اُٹھائے گی نسیم سحری خوب

سچ یہ ہے کہ واعظ نہ مجھے بھاتا ہے نہ اکبر
وہ خبط ہی اچھا نہ یہ شوریدہ سری خوب

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست
ہے اسی پردے میں پنہاں آفتاب روئے دوست

پردۂ فطرت خرد افروز و حکمت خیز ہے
ہے جنوں انگیز لیکن آب و تاب روئے دوست

دیکھ لی جس نے جھلک اُسکی وہ پہونچا دار پر
زینت منبر ہوا محو حجاب روئے دوست

ذوق معنی ہو تو اے اکبر نظر آگے بڑھا
عالم نیچر تو ہے لوح کتاب روئے دوست

ماہ نو بھی نہیں چمکا ترے ابرو کی طرح
نکہت گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح

کون سی تیغ ہے تیغ خم ابرو کی طرح
کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح

وہ ادا کی کہ قضا آگئی خودداری کی،
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

گل میں وہ شوخی رنگ رخ محبوب کہاں
سرو میں لوچ کہاں اس قد دلجو کی طرح

مجھ کو دم بھر بھی زمانے میں نہیں چین نصیب
مضطرب شیشۂ ساعت میں ہوں بالو کی طرح

حسن میں کب ہو قمر کو ترے مانند ثبات
کبھی عارض کی طرح ہو کبھی ابرو کی طرح

نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہی اسمیں
قطع میں گو ہو ہلال آپ کے ابرو کی طرح

کم بضاعت کو جو اک ذرہ بھی ہوتا ہو فروغ
خود نمائی کو وہ اُڑ چلتا ہے جگنو کی طرح

دل کا میلان یقینی ہو سخن میں جو ہو وزن
طبع سنجیدہ سامع ہے ترازو کی طرح

کیا کہوں شوق شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح

خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
فرحت افزائے نظر ہے رم آہو کی طرح

گلشن عشق میں ہے اشک اگر جوے رواں
خوشنما آہ بھی ہو سرو لب جو کی طرح

ہر زمیں میں ترا مضموں ہو مطلوب اے دوست
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کو کو کی طرح

نیچی نظروں سے مرے دلکو وہ کرتے ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہت گل بھی نہیں ہو تری خوشبو کی طرح

رنگ گل سے بھی سوا شوخ ہو تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہو بو کی طرح

ہمسر اس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اُس نرگس جادو کی طرح

ٹکڑے میرے دل روشن کے جو دیکھے تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح

جام مے غیر کو دو میں نہ کروں گا شکوہ
رنج کی بات ہو پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھ اپنی حقیقت کھلجائے
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح

رشک آتا ہو جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحب حسن کہیں ہو مرے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مے کی
یہ سخن تیرا گلو گیر ہو اُچھو کی طرح

ہو اشاروں کا اگر اہل نظر کے تابع
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشن دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

اظہار مدعا میں کروں گا اسی طرح
وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بری طرح

چاہونگا تخلیہ نہ زیادہ بٹھاؤں گا
تشریف لائیے بھی تو حضرت کسی طرح

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند
جس حسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خدا پسند

توڑوں نہ یہ تیرے جھومنے لگتی ہے شاخ گل
بیحد ہے تیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

پھرتی ہے ارض آفتاب کے گرد
بندہ چکر میں ہے جناب کے گرد

نہیں ٹلتا ہزار اسے ٹالو
عشق رہتا ہے شباب کے گرد

شعلہ رویوں میں گھو میں سوختہ دل
آنچ لگتی رہی کباب کے گرد

کون مستی مری سنبھالے گا
میں تو جاتا نہیں شراب کے گرد

وقت بہار گل دلم از ہوش دور بود
موج نسیم دشمن شمع شعور بود

میگفت دوش قصۂ شوقت زبان دل
ہر حرف او حکایت موسیٰ طور بود

یک جلوہ کرد و صورت پروانہ سوختم
آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود

خوش بود آں زماں خودی از خود خبر نداشت
ہوشم بخواب بود و دلم در حضور بود

یکساعت خسروی او ایں چنیں گذشت
من عجز بودم او ہمہ ناز و غرور بود

بیدل مشو بگفتۂ منکر کہ او ز جہل
وہمش بگفت آنچہ بچشم تو نور بود

اکبر بہ پیش پیر مغاں کرد اعتراف
غوغائے من بہ خلق ہمہ مکر و زور بود

گذشتند آں قدر یاراں ز حد سید سالے اکبر
کہ آں مرحوم اکنوں در شمار شیخ می آید

فسردگی ہوئی پیدا اُس انتشار کے بعد
ہزار حیف کہ فالج گرا بخار کے بعد

کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کروں
تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد

بہت ہی بگڑے وہ کل مجھ سے پہلے بوسے پر
خموش ہو گئے آخر کو تین چار کے بعد

گیا شباب تو اب آئنہ میں کیا دیکھوں
وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد

نہ بھول اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسراً اے اکبرؔ
خدا سکوں بھی دیگا اس اضطرار کے بعد

مذاق درد ہے دل کو مرے ہے آہ پسند
عجب نہیں اُسے کرلے تری نگاہ پسند

خدا کا شکر دیا اُسنے مجھکو بوسۂ لب
کسے نصیب ہے حلوائے بادشاہ پسند

محل طعن نہیں ہے ہماری مے خواری
ہنر کے حکم میں ہے عیب بادشاہ پسند

یہ بے اصولی و لغزش بُری ہے سالک کو
خدا کے واسطے تم کرلو ایک راہ پسند

نہ حلق سر کا ہے سودا مجھے نہ تیرتھ کا
بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند

خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر
کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند

گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی
غضب ہے کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند

ق

فلاسفی کو ہے مرغوب طبع الا اللہ
طریق سنیٹفک کو ہے لا الٰہ پسند

رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون
کرے حریف اُسے ناپسند خواہ پسند

اب اسکے آگے ہے جو کچھ گروہ بندی ہے
ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہے واہ واہ پسند

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خواہند
مومناں را بخراشند بہ دشنامے چند

غیرت دیں بفروشند بہ یک غمزۂ کفر
چشم پوشند ز ملت پئے خود کامے چند

روح خود را چو سپردی بہ غلامی حریف
چہ کنی ناز بہ نامے و بہ خدامے چند

پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش داد است
قدمے ہم نہ نہد در رہ ایں خامے چند

ور دِ ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبرؔ
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایان خرابات خدا یار شماست
چشم انعام مدارید ز انعامے چند

دلا لے چل ہمیں سوئے محمدؐ
دکھا دے جنت کوئے محمدؐ

شب عاشق ہیں گیسوئے محمدؐ
خدا کا نور ہے روئے محمدؐ

چمن قرآن ہے ہر لفظ اسکا ہے گل
نہاں ہر گل میں ہے بوئے محمدؐ

مشام جاں معطر ہو رہا ہے
زہے سودائے گیسوئے محمد

محمد پھول ہیں واعظ صبا ہیں
کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمد

یہ مژدہ اہل عالم کو سنا دو
بھری رحمت سے ہے خوئے محمد

خدا کے گھر سے ہے الحاق اسکو
یہ دیکھو رفعت کوئے محمد

درود اُسپر ملائک بھیجتے ہیں
توجہ جس کی ہو سوئے محمد

ہوئی زائل جہاں سے ظلمت کفر
پڑا جب پرتو روئے محمد

ہوئے دل دوز تیر الفت حق
کھنچی جب قوس ابروئے محمد

منور نور وحدت سے ہوا دل
نثار پرتو روئے محمد

خدا کا پیار ہے اُس دل پہ اکبرؔ
کشش جس دل کی ہو سوئے محمد

آتا ہے وجد مجھ کو ہر دین کی ادا پر
مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر

اے برہمن کہونگا ہر بحر کو میں مائی
موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و نربدا پر

پڑ جائے آتے جاتے شاید نگاہ سلطاں
جو راہ سے الگ ہے افسوس اُس گدا پر

مجھے ہمنشیں ملا کیا اُنھیں حال دل سُنا کر
وہ کہہ آئے ساری باتیں مرے دشمنوں سے جا کر

مری زندگی ہو کیونکر جو تو بےخبر ہو مجھ سے
نہ ہو شوق اگر وفا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر

مرا یار مہ جبیں ہے خوش ادا ہے نازنیں ہے
مگر اسکا کم یقیں ہے کہ جیوں گا اُسکو پا کر

کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سن لو
کسی اور کام کے پھر نہ رہو گے دل لگا کر

نظر آیا چاند پھیکا تو جھپک گئے ستارے
شب ماہ بھی نہ چمکی جو تو نکلا جگمگا کر

موقوف کچھ نہیں ہے فقط مے پرست پر
زاہد کو بھی ہے وجد تری چشم مست پر

عزت ملی ہے شرکت کونسل کی شیخ کو
غازہ ملا گیا ہے رخ فاقہ مست پر

رندان پختہ کار کو موسم کی قید کیا
موقوف میکشی نہیں ماہ الست پر

بلبل کی شاخِ گل کی نمو پر نگاہ ہو
میری نظر ہے تاک ہی کے دار و بست پر

پھیکا ہو رنگ مے ترے عارض کے سامنے
مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر

منظور مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر
موقوف شاعری نہیں اس نیست ہست پر

بند نقاب باندھتے ہیں مجھ کو دیکھ کر
اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر

چل پھر نے انکی آنکھوں کی مجھ کو لبھا لیا
کیوں کر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر

اُس باوفا کو حشر کا دن ہو گا روزِ وصل
قائم رہا جو دہر میں عہدِ الست پر

ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر
پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر

اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں
رحمت خدا کی چاہونگا اب مے پرست پر

بجلی کو ہاتھ آگیا تیری ہنسی کا طرز
غنچوں کو رشک کیوں نہ ہو اس تیز دست پر

گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل
ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر

کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز
کیوں معترض ہو فرشِ زمیں کی نشست پر

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

بس اصل کارِ دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلامِ باری نے ہم میں آکر
بس ایسے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسمِ بیجاں
یہاں تو ہم مرتے ہیں لیکن بتانِ ترسا کے دم میں آکر

جو ضعفِ پوشیدہ دیں میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے
زبانِ واعظ میں تھی جو طاقت چھپی وہ میری قلم میں آکر

جو شوقِ مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلامِ اکبر
اگر ہو ذوقِ شرابِ ساغر تو پیجئے بزمِ جم میں آکر

جس نے ابھارا خلق کو طاعتِ کردگار پر
نقش اُسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر

شاہ و وزیر سب کے تو نام دب گئے ہسٹری کے ساتھ
سکۂ نامِ انبیاء اب بھی ہے ہر دیار پر

معنوی تو ملیں گے تمہیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

ذی علم مصنف ہو رہے حامی ملت
ارمان نہیں کوئی اِس ارمان سے بہتر

انسان اگر معرفت حق سے ہو غافل
کیا شک کہ بہائم ہیں اس انسان سے بہتر

مخلوق الٰہی میں عمل پر جو نظر کر
انساں سے بدتر ہے نہ انسان سے بہتر

ہر حال میں ہو دل کے لئے حافظ و ناصر
دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر

یہ ہو کہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن
سُن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر

سُن لے جو توجہ سے بزرگوں کی نصیحت
پھر کان جواہر نہیں اس کان سے بہتر

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہرباں ہوکر
ادائے شکر کر دیوانۂ حسن بتاں ہوکر

کُھلیں شرمگیں آنکھیں شب وصلت زباں ہوکر
محبت کی نظر نے دی اجازت مجھ کو ہاں ہوکر

کمال اس دام گیسو میں تھا یا کچھ نقص تھا میں
پھنسا آخر یہ کیونکر طائر عرش آشیاں ہوکر

عطا کر قسمت تصنیف سعدی یارب اُس گل کو
پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہوکر

ترا قد دیکھ کر اے گل میں تجھ کو سرو سمجھا تھا
مگر تو سرو سے بھی بڑھ گیا آخر رواں ہوکر

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہوکر

جھکایا ہی جبیں کو آستان یار پر میں نے
سعادت ہے اگر رہ جائے سنگ آستاں ہوکر

کمال ان کی عنایت ہے نہایت مہربانی ہی
کہیں آئیں محلے میں انھیں جانا یہاں ہوکر

اگر اللہ دیتا قوت گفتار شمعوں کو
تو داد ہمت پروانہ دیتیں یک زباں ہوکر

ہوائے نفس سے ہوکر الگ الفت میں مرجانا
وہ حالت ہے کہ رہ جاتی ہی زندہ داستاں ہوکر

مجال گفتگو کس کو ہے اُنکے حُسن کے آگے
زبانیں بند کردیں ان بتوں نے بے زباں ہوکر

قریب ختم تھی مجلس کہ آ نکلے ادھر وہ بھی
غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رائگاں ہوکر

یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہی حضرت واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہوکر

نگاہیں ملگئیں تھیں میری انکی رات محفل میں
یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہوکر

بہت مشکل ہوا ہی ختم کرنا مجھ کو نامے کا
وفور شوق ہی رکتا نہیں خامہ رواں ہوکر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں
بنو گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر

پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر

دلوں کا قرب حاصل کیجیے راحت رساں ہو کر
نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرام جاں ہو کر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر ناں ہو کر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسن بتاں ہو کر

پئے ضبط محبت عقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہ عناد آخر نصیب دشمناں ہو کر

مجال گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہو کر

کسی بنے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں،
نمازی ہیں نہ داور رہ گئی خالی اذاں ہو کر

کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانے میں نصیب دشمناں ہو کر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
نہو مکار پیری میں نہو عاشق جواں ہو کر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں
سلایا مجھ کو اس مکار نے افسانہ خواں ہو کر

تمہیں اوج و تعلے کا مزہ مجھ کو تواضع کا
یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہو کر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو بنھ جاتی ہے شاید بدزباں ہو کر

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہو کر

ضعیفی زور پر آئی ہوے بیدست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

روش ہو راست آزادانہ ساتھ اسکے تواضع بھی
چلو تم شل تیر اے اکبر جھکو لیکن کماں ہو کر

خیال عزت مجنوں نہ چھوڑا دامن مجنوں
نہیں ہے ہوش اسکو خود تو اڑ جا دھجیاں ہو کر

نگین بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی
ترا نقش تصور اس میں بیٹھا پاسباں ہو کر

مری زردی رخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر
مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہو کر

بلندی مراتب سے تلوّن ہو گیا پیدا
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہو کر

اسی سے آشکارا ہے بلندی تیرے ایواں کی
پڑا ہے آسماں بھی تیرے در پر آستاں ہوکر

میں سمجھا یا تلاش پیر کی دے کر صلاح اُنکو
ہوئے وہ اور بھی ظالم مرید آسماں ہوکر

ق

بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہوکر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہوکر

بچھا فرش زمرد اہتمام سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشاں ہوکر

عروج نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہوکر

بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگین بتاں ہوکر

جوانان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہوکر کسی نے ارغواں ہوکر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگ اذاں ہوکر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہوکر

زبان برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہوکر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبرؔ پھول پتوں میں نہاں ہوکر

بہار آئی ہے اِک آئینۂ معنی نشاں ہوکر
چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہوکر

خموشی میں جمال شاہد معنی نظر آیا
عبث اُلجھے رہے لفظوں میں ہم محو بیاں ہوکر

قیامت کیا ہے خلقت کو نہ صبر آنا جدائی پر
یہ فطرت خود بنے گی صور سرگرم فغاں ہوکر

جو راہ معرفت میں کاروان دل قدم رکھے
تو ساری کائنات اُڑ جائے گرد کارواں ہوکر

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہوکر

تری فرقت میں ساری عمر جو تکلیف اٹھاتے ہیں
اجل ایجان اُنھیں کو آتی ہے آرام جاں ہوکر

اشارہ زاہدان خشک سے ہے دختر رز کا
ولی بنیئے مرید حضرت پیر مغاں ہوکر

عجب کیا ہے جو دو دن ہیں بیہوشی کے دنیا میں
چلے چپ ہوکے رخصت آگئے جس دن مہماں ہوکر

الگ رکھتی ہے فطرت سر ہوش کو ایسے مواقع پر
کہ تا افشا نہ کردے راز ہستی رازداں ہوکر

نمایاں ہیں ترے دامن کی سلوٹیں کہکشاں ہوکر
اس اطلس کی زمیں اے ماہ چمکی آسماں ہوکر

ہوا زرد الفت گلرو میں زار و ناتواں ہوکر
مرے باغ جوانی میں بہار آئی خزاں ہوکر

مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہوکر
قیامت ڈھائیگا جنت میں یہ بڈھا جواں ہوکر

بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہوکر

زبانیں دیکھتی ہیں آفت تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہوکر

ابھارا اسقدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
کہ چل نکلی زمیں قائم مقام آسماں ہوکر

بنی آدم میں اتنے مہر طلعت ہوگئے پیدا
کہ چل نکلی زمیں قائم مقام آسماں ہوکر

دکھا کر ابرو و مژگاں نظر انکی یہ کہتی ہے
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحب تیغ و سناں ہوکر

بٹھا رکھا ہے اس نامہرباں نے منتظر کر کے
خدا سے ہے مجھے امید اٹھا لے مہرباں ہوکر

لطیف الطبع تیز و تند رنگیں و نشاط افزا
تمہیں سی ہوگئی ہے دختر رز بھی جواں ہوکر

کیا افسردہ نافہموں نے مجھ کو ہمنشیں ہوکر
طبیعت رک گئی افسوس معنی آفریں ہوکر

ہجوم یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر در دل سے حزیں ہوکر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
گویا زمین اور ہے اور آسمان اور

دل اس بت فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
میرا طریق اور ہے اسکی ہر شان اور

کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں
اسکی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور

وہ جادوے سخن ہے نہ وہ رنگ انجمن
تہذیب مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میل نظر ہے زلف مس کج کلاہ پر
سونا چڑھا رہا ہوں میں تار نگاہ پر

اچھا ہوا مقابلۂ برق حسن و عشق
ان کو ہنسی جو آگئی عاشق کی آہ پر

یا شہید جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ

دین بچنے کا نہیں ان صورتوں کے سامنے
یا پہن زنّار اکبر یا در میخانہ چھوڑ

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز
پھر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز

واعظ نے کہا خوف خدا بھی ہے کوئی چیز
اس بت نے کہا میری ادا بھی ہے کوئی چیز

کہتا ہے معالج کہ دوا کا بس اثر دیکھو
فریاد زباں سے ہے کہ مزا بھی ہے کوئی چیز

پنہاں ہیں خموشی و تصور میں کمالات
لیکن اثر لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز

کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

بیساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کی اکبر
سب جانتے ہیں حسن صدا بھی ہے کوئی چیز

کم سن ہو ابھی تجربہ دنیا کا نہیں ہے
تم خود ہی سمجھ لوگے خدا بھی ہے کوئی چیز

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

ہم مصلحت وقت کے منکر نہیں اکبر
لیکن یہ سمجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز

میں نے کہا کیوں لاش پہ آقا کی ہے مرتا
ق
ہوٹل کی طرف جا کہ غذا بھی ہے کوئی چیز

کتے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز
ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں امید ہنوز

قصۂ شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے
خاتمے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز

نہ خوشی ہوتی ہے دل کو نہ طبیعت کو ابھار
پھر بھی سالانہ کیے جاتے ہیں ہم عید ہنوز

اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے ناصح
بس چلی جاتی ہے تعلیم کی تاکید ہنوز

کس قدر حار تھے سید کے وہ اجزائے زقوم
علما دے رہے ہیں قوم کو تبرید ہنوز

دل تو مدت سے ہے خاک در دیر اے اکبر
ہاں زباں پر ہے مگر کفر کی تردید ہنوز

غم جاناں سے میں کرنے کا نہیں جان عزیز
ہے سوا جان سے بھی مجھ کو یہ مہمان عزیز

نگاہ اس بت بے دیں کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش

کہا جو اُسنے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ
منہ اسکا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہل مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع

ایک ہے پریوں کا قائل ایک کو انکار ہے
سب نزاعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع

علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم
صلح رہتی منتشر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف

میں پھنسانے لگا کیوں دام بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اُس زلف چلیپا کی طرف

دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
انکی چالیں تو لیے جاتی ہیں اعدا کی طرف

جوش گریہ ہے یہ کیوں موسم پیری میں مجھے
لگ جاڑوں میں تو کم جاتی ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اُسے یعنی خدا ایک

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک

کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھ کو دکھا دو تو بھلا ایک

اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہو گی شکستہ جو کہیں رخ نہ رہا ایک

یارب رہے جمعیت مسلم یوُ نہیں قائم
رخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہ عقل رسا دور دور تک
لیکن نہ جا سکی کبھی اوج حضور تک

جام مئے الست سے ایسی تھی بیخودی
ہستی کا اپنی حس نہ ہوا نفخ صور تک

کھینچی ہے ہم پر اُس سفاک کی تیغ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامئ دیں ایک
قوت کو جو پوچھو کہیں دو دل بھی نہیں ایک

دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جان حزیں ایک

ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمھیں ایک

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

منطق بھی تو اک چیز ہے اے قبلہ و کعبہ
دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک

افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم
اب کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک

کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ
آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک

مرنا بھی ضروری ہے خدا بھی ہے کوئی چیز
اے حرص کے بندو ہوس جاہ کہاں تک

تحسین کے لائق ترا ہر شعر ہے اکبرؔ
احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک

مل گیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ

چل دیے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

پائی ہے تم نے چاند سی صورت
آسمانی رہے نقاب کا رنگ

صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول
دوپہر کو ہے آفتاب کا رنگ

لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

ٹکٹکی بندھ گئی ہے بوڑھوں کی
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

جوش آتا ہے ہوش جاتا ہے
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

رند عالی مقام ہے اکبرؔ
بو ہے تقوی کی اور شراب کا رنگ

عزیزانِ وطن سوچیں سول سروس سے کیا حاصل
یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل

نہ سحر چشمِ جاناں ہے نہ لطفِ غمزۂ ساقی
تو پھر صحنِ چمن میں دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

نہ ہو ادراک خالق کا نہ ابھرے شوق طاعت کا
تو ایسے ذہن سے اکبرؔ اور ایسے حس سے کیا حاصل

گو چکا چوند کا عالم ہے نئی روشنی میں
ہے مگر پیش نظر عرش کا تارا اسلام

رغبت کفر سے اللہ بچائے سب کو
نور افگن رہے ہر سینہ میں پیارا اسلام

انکی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں،
مین تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام

اُنکے مضبوط جہازوں کی مددگار رہے آگ
میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبرؔ
منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا ہو کہو تو صنم
اٹھو بھی بس اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم

فراق کی شب نہو گی سحر اجل سے کہو کہ آئے ادھر
عذاب میں ہوں نجات ملے کہاں تلک اب سہوں میں ستم

خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے
نکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں ہے اب سواد عدم

ہوئے ہیں مست مئے عاشقی کے جام سے ہم
خوشا نصیب پہ چھٹے عاقلی کے دام سے ہم

نہیں کوئی شب تارِ فراق میں دلِ سوز
خموش شمع ہی خود جل رہے ہیں شام سے ہم

زمانہ جس کو مٹائے بھلائے خلق جسے
عبث ہی خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم

خوشی بہت ہی جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم

خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم

اخیر عمر میں آیا ہمیں خیال مآل
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم

گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
کہ لطف اٹھاتے ہیں اُس بت کی رام رام سے ہم

ہمیں ہے یاد وہ عہد الست اے غافل
بہل سکیں گے نہ دُنیا کی دھوم دھام سے ہم

چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سُوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپ بے لگام سے ہم

خیال یار میں اُلجھا ہوا ہے تارِ نفس
کبھی نہوں گے رہا عاشقی کے دام سے ہم

جبیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
تمام ہو گئے اِس ماہ ناتمام سے ہم

اگر وہ کہتے ہیں املی تو ہم کہیں گے یہی
ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم

ملا نہ امن شبستان دھر میں دم بھر،
چراغ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم

اب اور چاہیئے ہیٹو کے واسطے کیا بات
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

نگاہِ پیرِ مغاں کہتی ہے مریدوں سے
رہ سلوک میں واقف ہیں ہر مقام سے ہم
فلک کے دور میں ہارے ہیں بازی اقبال
اگرچہ شاہ تھے بدتر ہیں اب غلام سے ہم
ہماری کوہ نوردی نہیں ہے بے معنی
کہ انس رکھتے ہیں اک کبک خوشخرام سے ہم
ہمیں خراب کرے گا خیال ابروئے یار
مفر نہ پائیں گے اس تیغ بے نیام سے ہم
سنا ہے حلّت بادہ کا ہوگیا فتوےٰ
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم
لیے ہیں ہاتھ میں نامہ کھڑا ہی چپ قاصد
پتا ہے گھر کا نہ واقف ہیں انکے نام سے ہم
اشارہ کرتی ہے ساقی کی چشم مست اکبر
کہ دو جہاں کو بھلاتے ہیں ایک جام سے ہم
چھڑی اُٹھائی خموشی سے چل دیے اکبرؔ
سفر میں رکھتے نہیں کام ٹیم ٹام سے ہم

دل مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
امیدیں اسقدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں
مری بیتابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
یہ ظاہر ہی کہ موجیں خارج از دریا نہیں ہوتیں
وہی پریاں ہیں اب بھی راجہ اندر کے اکھاڑے میں
مگر شہزادۂ گلفام پر شیدا نہیں ہوتیں
یہاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بیشک
مگر یہ شوہروں سے اپنے بے پروا نہیں ہوتیں
تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزم دنیا سے
وہ دلکش صورتیں اب انجمن آرا نہیں ہوتیں
ہوا ہوں اسقدر افسردہ رنگ باغ ہستی سے
ہوائیں فصل گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں
قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبرؔ
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں
ان کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں
دل ہی کیساتھ میں ٹھہرتا ہوں
ہوں اسیر طلسم بحر فنا
نقش برآب ہی میں بھرتا ہوں
بحر ہستی میں ہوں مثال حباب
مٹ ہی جاتا ہوں جب ابھرتا ہوں

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں

لن ترانی نہیں ہے مانع عشق
میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں

آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج
شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گزرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہر تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتی دل کی الٰہی بحر ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستان عشق یار
سونے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھ کو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشان نقش پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں
زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیئے
کہہ دو بے اسکے جوانی کا مزا ملتا نہیں

اہل ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث و جدال
میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن
ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں

منزل عشق و توکل منزل اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

بار تکلیفوں کا مجھ پر بار احساں سے ہے سہل
شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھ کو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

معنیٔ دل کا کرے اظہار اکبرؔ کس طرح
لفظ موزوں بہر کشفِ مدعا ملتا نہیں

کسقدر بے فیض ان روزوں ہوا ہے دہر ہی
بوئے گل کو دامنِ بادِ صبا ملتا نہیں

فیضِ باطن سے مدد لے عشق کا ہو جا مرید
اہلِ ظاہر کے ملائے تو خدا ملتا نہیں

ڈھونڈھتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینانِ دل
کچھ بھی لیکن داغِ حسرت کے سوا ملتا نہیں

تیشلِ وقعت کے گم ہونیکا ہے اکبر کو غم
آفیشل عزت کا اُس کو کچھ مزا ملتا نہیں

دل کی ہمدردی سے کچھ تسکین ہوتی تھی مگر
اب تو اُس مظلوم کا بھی کچھ پتا ملتا نہیں

بیکسی میری نہ پوچھ اے جادۂ راہِ طلب
کارواں کیسا کہ کوئی نقشِ پا ملتا نہیں

اسکو اربابِ طریقت میں کرو نہیں کیا شمار
آپ کی زلفوں سے جس کا سلسلہ ملتا نہیں

جب کہا میں نے مرا دل مجھ کو واپس کیجئے
ناز و شوخی سے وہ بولے کھو گیا ملتا نہیں

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ
اور جو ملنے جاتا ہوں مردِ خدا ملتا نہیں

یوں کہو مل آؤں لسنے لیکن اکبر سچ یہ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

پھر اور کون ہوگا جو آئے ہمارے کام
ہو گئے شریکِ حال ہمارے نہ جب تمھیں

دنیا کے انتظام پہ اکبرؔ نہ ہو ملول
انصاف یہ نہیں ہے کہ پا جاؤ سب تمھیں

یہ فقط نہیں ہے کافی کہ مرا مزاج پوچھیں
مرے دردِ دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

تھا زمانہ کل موافق مجھے پوچھتا تھا ہر اک
میں تو انکو دوست سمجھوں کہ جو مجھ کو آج پوچھیں

جنھیں تیری لو لگی ہے وہ جہاں سے بےخبر ہیں
نہ وہ مال و جاہ ڈھونڈیں نہ وہ تخت و تاج پوچھیں

جو مرض ہے ہمکو لاحق وہی شرطِ زندگی ہے
جو نہ چاہیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں

نہ خود اُن کو لکھ عریضہ نہ کر انتظار اکبر
اُنھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماچ کی دھن
یہ کلاک اپنے سروں میں تو بجا کرتی ہے
صفت پیدا ہوئی ہے آپکو کیوں واچ کی دھن
نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتین کو شرم
ساز مغرب سے مگر ہوگئی اب ناچ کی دھن

کبھی دل کی ترنگ کا رنگ ہے کہ میں سارے جہان کو پیار کروں
کبھی طبع میں موج سمائی ہے کہ خود اپنی خودی سے بھی عار کروں
مجھے پیاری اگرچہ ہے جان حزیں مگر انسے سوا یہ عزیز نہیں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ یاد انھیں او انھیں پہ میں اسکو نثار کروں
کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے یہ کبھی آئینہ ہے کبھی قطرۂ خوں
یہ ہے صفحۂ دہر پہ دل کا جو رنگ اسے کونسی میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
یاں زن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں
مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں،
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں
اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
مجھ سے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں
ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں
جس سے دل رنجور کو پہونچی ہے اذیت
پھر اسکا طلبگار ہے معلوم نہیں کیوں
اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں
افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں
انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے
اکبر جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جاں اہل جہاں دیتے ہیں اکبر
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
اس محل پر راز دل ہم اُن پہ ظاہر کیا کریں
ہیں کلکٹر نزع میں عملے کھڑے ہیں دم بخود
جب خدا ہی ہوگیا حاضر تو ناظر کیا کریں

انکی آنکھوں کی خطا کیا خود ہیں ہم الفت میں مست　　آپ ہم ایمان چھوڑیں تو یہ کافر کیا کریں
نیتیں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا　　پھر بھی ہے تیوری چڑھی ہم پر اب آخر کیا کریں

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں　　افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں
ہے ملک ادھر تو قحط زدہ اُسطرف یہ وعظ　　کشتے وہ کھا کر پیٹ بھرے پان سیر میں
ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حُسن مس فرنگ　　بچ بھی گئے تو ہوش اُنھیں آئیگا دیر میں
چھوٹا اگر میں گردش تسبیح سے تو کیا　　اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

صبا نے دفتر گل کے بہت ورق اُلٹے　　مگر وہ بوئے معانی روے یار کہاں
میں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا اُمید　　وہ آستانہ کہاں اور مراغبار کہاں
خیال ایسا نہ فرمائیے مری نسبت　　بھلا حضور کہاں اور یہ خاکسار کہاں.

ہجر کی رات یوں ہو نہیں حسرت قد یار میں　　جیسے لحد میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں
دل ہے ملول فرقت قامت دلجوئے یار میں　　بھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں
سوز نہاں ہے فرقت شمع جمال یار میں　　آگ سی ہے لگی ہوئی رشتۂ جان زار میں
کیا میں خوشی سے ہوں بسا کوچۂ زلف یار میں　　کوئی بلا میں کیوں پھنسے دل ہو جو اختیار میں
ہونے دے انقلاب چرخ کوہ الم کو لے اٹھا　　وزن مگر سبک نہ ہو دیدۂ اعتبار میں
پایا ہوائے دہر کو دشمن انبساط دل　　کھلتے ہیں کب گل مراد گلشن روزگار میں
کر دیا ایسا زار و خشک منزل عشق نے مجھے　　خار چبھے گا مجھ میں کیا میں ہی چبھا ہوں خار میں
آئی نسیم باغ میں مست کے یہاں نہ آئے تم　　لالہ و گل بہت کھلے دل نہ کھلا بہار میں
مستی عشق کا مزا عہد شباب ہی میں ہے　　بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں
مہر کرم نے آپ کے ذرّہ نوازیاں یہ کیں　　بات تو ورنہ کچھ نہ تھی بندۂ خاکسار میں
تم تو بھلا کے وعدے کو شام سے پڑ کے سو رہے　　جاگا کیا میں صبح تک حسرت و انتظار میں
سینے سے تیرے متصل شاید اسے قرار ہو　　گوندھ لے میرے دل کو بھی اپنے گلے کے ہار میں

رنگ جہاں کیساتھ کاش میری بھی ہو یونہیں بسر — جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ پیار میں
وقعت ریش شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقیں — خرمن خس بھی شرط ہے گلشن اعتبار میں
کھلنے پہ آئی ہے کلی بلبلوں کو ہے بیکلی — حسن تو ہے ابھار پر عشق ہے انتظار میں
ذکر مرا ہے کو بکو پھیلی ہے بات چار سو — آتی ہے کچھ جنوں کی بو بیٹھا ہوں کوئے یار میں
سینے میں کیوں خلش ہے یہ جانیں کیوں طپش ہے یہ — عقل کی سرزنش ہے یہ دل کو رکھ اختیار میں
الفت زلف قہر ہے حق میں ہمارے زہر ہے — بحر بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں
بھونرے ہیں مست بوئے گل تیتریاں ہیں سوئے گل — سب کو ہے جستجوئے گل موسم خوشگوار میں
سنبل تر پہ خوب ہے جلوۂ شبنم لطیعت — زلف پری کے تار میں گوہر آبدار میں
دور شراب لالہ فام کیوں نہو لالہ زار میں — کچھ تو مزا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں
باد صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں — شاخونکی گود میں ہوں گل وہ ہوں مرے کنار میں
ہو اثر سرور می کیف میں ہو ہر ایک سے — دل میں ہو زمزموں کی لے بول اٹھیں ستار میں
آنکھ کی ناتوانیاں حسن کی لن ترانیاں — پھر بھی ہیں جانفشانیاں کوچۂ انتظار میں
عشق میں نفع ہے ضرر اشک گریں تو ہیں گہر — یاں تو ہیں پارۂ جگر لعل سخن کے اعتبار میں
عشق ہو کسطرح نہاں لب پہ ہے غم کی داستاں — کہنے میں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

بے بہرہ ہیں نور سے وہ آنکھیں جو تیرے لئے غمناک نہیں — سرمۂ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں
بیگانہ سر درسے ہے وہ دل جو تیرے لئے غمناک نہیں — سرمۂ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں
اس خیرہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو — ذ اسکے طہارت دلکی نہیں ذ اسکی نگاہیں پاک نہیں
رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی ہے لیکن مدت سے — زنار پہنتی باقی ہے اسمیں بھی مجھے کچھ باک نہیں
ہے مستی عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں دل سے — حاجت نہیں مے کی میرے لئے انگور کی مجھکو تاک نہیں
صورت کی ہے انمیں جلوہ گری معنی سے ہے بالکل بے خبری — ہیں کام تو انکے صاف بہت نیت کی مگر یہ پاک نہیں
پلٹیں یہ نگاہیں لاکھ طرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں — کیا اصل و حقیقت ہے میری ادراک کو یہ ادراک نہیں

ان مدعیوں کا طرز عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں سمجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

پیش کر دینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن اُن کو رنج ہوگا مجھ کو کچھ حاصل نہیں

عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کی بھی مزے پھر موت سے غافل نہیں

کیا طریق طالب دنیا کی جانب رخ کروں
دل کو ہو جسمیں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں

قوم میں گو علم پھونکے بھی ہوائے زندگی
جان کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یکدل نہیں

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اُس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

حضرت ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

تخت کے قابض وہی دیہیم اُنکے ہاتھ میں
ملک اُن کا رزق کی تقسیم اُنکے ہاتھ میں

برق کی صورت پہونچتا ہے طبائع پر اثر
آگیا تار اُمید و بیم اُنکے ہاتھ میں

ہم کو سایے پر جنوں وہ دھوپ میں مصروف کار
بس یہ ہے اپنی نظر اور سیم اُنکے ہاتھ میں

صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم اُنکے ہاتھ میں

شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم اُنکے ہاتھ میں

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم اُن کے ہاتھ میں تعلیم اُنکے ہاتھ میں

خوب تر ہمسے ہیں اُنکے دلمیں اخلاقی اُصول
گو نہیں ہے دین ابراہیم اُنکے ہاتھ میں

جج بنا کر اپنے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوش نما دو جیم اُنکے ہاتھ میں

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
اک دن دیکھینگے ہفت اقلیم اُنکے ہاتھ میں

دلیلیں فلسفہ کی نور باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں

طلب کر دین سے اے محو نیچر جوش باطنی
صدائیں مرغ کی کار موذن کر نہیں سکتیں

جہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشم غافل میں
مگر حق جو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں / اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں
سامنے وہ تھے تو کہتا حالت دل کس طرح / ہوش ہی میرا اسوقت میں اے مشفق من تھا کہاں
دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا / آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں
کرلیا ہمنے ازل میں شوق سے عہد الست / پیش چشم اُسوقت یہ دیر برہمن تھا کہاں
دہر میں خار تعلق سے اُلجھتا کس طرح / کرچکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنیں نہیں / تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں
میں نے وفور شوق میں شاید سنا نہو / یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں
ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب وصال / دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں
وحشت جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا / دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں
کیا ذوق طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض / کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں
میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں / جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں
میری نگاہ شوق کا اللہ رے اثر / معشوق بھی لجاتے ہیں اپنی نہیں نہیں
جب سے گناہ چھوڑ دئے سب کھسک گئے / اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں
ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا / سچ پوچھیے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں
طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ / نور جبیں کہاں ہو جو داغ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب / گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں یہیں زیر زمیں تو کچھ نہیں / زندگی جب تک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں
وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور / میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں
کار دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو / لیکن اسکے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں
ان کا گھر اور ان کی باتیں دیکھ کر کہنا پڑا / قصر عالی شان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ہوائے نفس کا طوفاں ہی بحرِ زندگانی میں
خدا محفوظ رکھے کشتیِ دل کو جوانی میں

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا اُبھرا جو بحرِ زندگانی میں

حباب آسا رہی وقعت جو اُبھرا زندگانی میں
عبث ہی خود نمائی کی ہوا اس بحرِ فانی میں

سکونِ قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہی اور وہ بھی جوانی میں

تری پاکیزہ صورت کر رہی ہی حُسنِ ظن پیدا
مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بدگمانی میں

اجل کی نیند آجاتی ہی آخر سننے والے کو
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں

نسیمِ صبحگاہی نکہتِ گل سے ہی بے پروا
مگر گیسو ترے مصروف ہیں عنبر فشانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

نہ پوچھ اے ہمنشیں وہ قصۂ عیش و طرب ہمسے
کسے اب یاد ہی اک خواب دیکھا تھا جوانی میں

کمر کا کیا ہوں عاشق کھلگئی زلفِ دراز انکی
کمر خود پڑگئی ہے اک بلائے آسمانی میں

اُسی صورت ہیں دلکش خوبیِ الفاظ ہوتی ہے
کہ حسنِ یار کا پیدا کرے جلوہ معانی میں

زبانِ حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہی نیم جانی میں

فلک نے مضمحل کر کے ہمیں خس کر دیا آخر
بہے جاتے ہیں بے مقصود بحرِ زندگانی میں

ادائے شکر کرکے احتراز اولے ہی اے اکبرؔ
ہزاروں آفتیں شامل ہیں ان کی مہربانی میں

پریشاں ہوش کو کرتے ہیں کڑی دولکے کرتے ہیں
مگر عاقل بھی ہیں کرتے ہیں جو کچھ ملکے کرتے ہیں

حریفوں سے لگاوٹ کرتے ہیں آپس میں لڑتی ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

خوشامد کرتے ہیں غیروں کی اور آپس میں لڑتی ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

بزرگوں سے عداوت دوستی بادہ فروشوں سے
اور اسپر مدعی تہذیب کے بنکر اکڑتے ہیں

اُلجھنا زلفِ مغرب میں دکھاتا ہی رہِ دنیا
مگر دینی مقاصد میں ہزاروں پیچ پڑتے ہیں

تعجب نخوتِ اہلِ زمیں پر مجھ کو آتا ہے
یہ اسپر کیوں اکڑتی ہیں کہ جسمیں مر کے گڑتے ہیں

ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشے میں سڑتے ہیں

تحیّر آپ کی غزلوں پر آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

ضرورت جب نہیں پھر طبع کا کیوں رُخ بدلتے ہیں
چمن ہوتے ہوئے بیفائدہ کانٹوں میں چلتے ہیں

عوض قرآں کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں
جہاں تھے حضرت آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں

ہمارا داغ دل کرتا ہے روشن بزم معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غمزوں سے جلتے ہیں

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں

موسیقی و شراب و جوانی و حُسن و ناز
بجتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حاصل انھیں کیا ایک سے جو افسانۂ حسرت کہتے ہیں
عاقل تو وہی ہیں اے اکبر جو سہتے ہیں اور چپ رہتے ہیں

ہے شاق جدائی آپکی اب دن رات پریشاں رہتے ہیں
ہم آپکو سجدہ جانتے ہیں دلسے ہیں فدا ایسے کہتے ہیں

ہے پاس شریعت بھی ہمکو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں
پابند ہیں ساحل مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی بُرائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم اُنکی سنی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب اُن کا معین نہیں ہو سکتا کچھ
برف کی طرح مسلمان گھلے جاتے ہیں

داغ اب انکی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں

علم نے رسم نے مذہب نے جو لی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں

تسبیح کو وجد میں لائی ہیں پیازوں کی گتیں
پیچ دستار فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمھیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ محوِ حورِ جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

مے گلگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جس کو سارا قصۂ عہدِ جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہدِ پیری میں جو وہ ناشاد ہو

شوخ ایسا ہے کہ اُس بت کو اگر کافر کہو
ہنس کے کہتا ہے کہ پیار الفظ ہے یہ پھر کہو
جو کہو چھا جائے اُن آنکھوں پہ مستی کی طرح
فتنۂ دوراں کہو ساقی کہو ساحر کہو
قیمت دل سن کے کہتے ہو کہ سودا ہے مجھے
خیر سودا ہی سہی تم بھی تو کچھ آخر کہو

خوشدلی عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
ہاں اور اُن کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہ ہو
مرض عشق بھی کیا چیز ہے جس کی صحت
آرزوئے دل رنجور یہی ہے کہ نہ ہو

جلایا دل کو تڑپایا جگر کو
خدا رکھے سلامت اس نظر کو
دل سوزاں کی گرمی بڑھتی ہے اور
خدا کے واسطے پہلو سے سرکو
جوانی مار ہی رکھتی ہے اکبرؔ
سنبھالو دل کو یارُو کو نظر کو

آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ناک رکھتے ہو تو تیغ تیز سے ڈرتے رہو
ہو مصیبت تو نہیں کچھ خوف سیل اشک سے
عیش ہو تو نفس طوفاں خیز سے ڈرتے رہو
دید نرگس سے چمن میں لطف اُٹھاؤ بے خطر
لیکن اُس چشم جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو
درد دل اُٹھا خیال یار کی تعظیم کو
گردن محراب مسجد خم ہوئی تسلیم کو
اُٹھی آواز اذاں اسلام کی تعظیم کو
طفل دل نے مکتب ادراک میں رکھا جو پاؤں
عشق پیسہ اکر دیا اللہ نے تعلیم کو

فہم و ادراک میں ہو عقل میں ہو جان میں ہو
حق تو یہ ہے کہ تمھیں جلوہ گر انسان میں ہو
ہاتھ ہو کام میں اور دل ترے ارمان میں ہو
ہے یہی طرز عمل خوب جو امکان میں ہو
میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جان تم پر
تم مری جان بچاؤ اگر امکان میں ہو
چاند پیارا ہے تو کیا اس سے سوا پیارا ہے
صحن میں بیٹھوں میں کیوں یار جو دالان میں ہو
پیاری صورت پہ تو انساں کو آتا ہی ہے پیار
دل کو روکیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو
حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کر لے مگر آنکھیں اگر انسان میں ہو

جھوٹ سے نفرت کلی ہو طمع سے پرہیز / ہو نہ کچھ اور پر اتنا تو مسلمان میں ہو

دل جہاں ہوگا وہاں عشق بھی ہوگا پیدا / خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو

ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کے ساتھ / کہہ دو ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو

آپ کی آنکھ میں کس نے یہ بھرا ہے جادو / اسکا ایما ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو

کاہلی اور توکّل میں بڑا فرق ہے یار / اُٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

ٹھیک ہو دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
سُر میں آواز ہو اکبر تو مزا تان میں ہو

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حزیں نہ ہو / میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقیں نہ ہو

گرم نظّارہ ہر اک سمت سر راہ نہو / رہزن عقل کوئی صورت دل خواہ نہ ہو

شارح معنیٔ حُسن بتِ دل خواہ نہ ہو / فہمیں قاصر نہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو

یار کے دل میں اثر ہو یہ ہے مقصود کلام / اسکی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو

یہ چمک اسکی ہے اے جان تمھارے دم سے / تم جو پہلو میں نہ ہو لطفِ شب ماہ نہ ہو

قلقل شیشہ کو سنیئے تو ذرا حضرت شیخ / دیکھئے تو کہیں اس قل میں ہو اللہ نہ ہو

جانتا ہوں میں شب وصل کی کوتاہی کو / یہ دُعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون / میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہ ہو

اِک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف / اس کا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو

بے رُخی اُس بُت کمسن کی نہیں علت یاس / نظر شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاہی / طعنہ زن گل پہ مری جان کہیں کاہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے بُرائی بُتِ خوش رو کی کرو / دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشم کافر کا اشارہ ہے کہ ایماں کیسا / چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو

اِک ترحّم کی نظر یار نے کی ہے آخر / دل سے نکلے تو کہاں تک اثر آہ نہ ہو

ق
اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جام شراب
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند
غالباً جاڑوں میں یوں بھی انھیں اکراہ نہ ہو

جوشش گریۂ پیہم کا ہو باعث رُخ یار
جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو نمود اور حسینوں کی جو چلے جائیں جو آپ
رونق آجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہو جو۔ وہ مرا دشمن ہے
نہ ملے مجھ سے وہ۔ اسکا بہی خواہ نہ ہو

سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو جائے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شائق احباب
میں تو خوش ہوں اگر افزایش تنخواہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی فدا باد صبا بھی صدقے
صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو

نرگس مست تری قاتل عالم نکلی
کہیں صیاد اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

پھر جو آئی ہے شب ہجر تو آجائے اجل
ایسی تکلیف نہ مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو

منتوں کی اُدھر افراط ادھر کھٹکوں کی
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جسمیں کوئی درگاہ نہ ہو

زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کر دے ہندی
لام کی جا کہیں لا اسے مرے اللہ نہ ہو

مرد آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا
بس مرے ساتھ تو یہ واللہ وباللہ نہ ہو

دسترس صید پہ حاصل نہ تجھے ہو خواہ نہو
شیر ہی بن کے نکل صورت روباہ نہ ہو

ذوق آرام بجا شوق تعلّے بیجا
طلب رزق ہو لیکن ہوس جاہ نہ ہو

دل کو بے عشق حقیقی نہیں ہوتی حرکت
وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو

خیر خواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

مجھکو کیں رہے نفرت ہو سبک وضعی سے
صورتِ کوہ ہو انساں صفت کاہ نہ ہو

شرک ہو اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال
کفر ہو جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا قدم منزل یوسف میں نہ رکھ اے طالب
یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمہاری دھن میں
کیا عجب شورِ قیامت سے بھی آگاہ نہ ہو

ہے اگر منزلِ راحت کی تلاش اے اکبر
وہ جگہ ڈھونڈھ تمنا کی جہاں راہ نہ ہو

تم اگر چاہو برائی نہ کسی کی اکبر
پھر تمہارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہو

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں
اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال ان کا ہے البتہ بہت بامعنی
کہ سمجھ بوجھ کے قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس الف بے ہو علیگڑھ وستے ہو

بہت رہتی ہے حیراں دیکھ کر گو تیری قدرت کو
ادا کرتی نہیں چشم تماشا حق حیرت کو

بہت خوش ہے کہ قد لعبت چیں کے مطابق ہے
ہمارے طفلِ دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

سب ہو چلے ہیں اس بت کافر ادا کے ساتھ
رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

جادو کیا یہ کس بت کافر نگاہ نے
اسلام میں وفا نہ رہی اتقا کے ساتھ

خوابِ اجل ہی نیند کے بدلے اب آئیگا
دیوانہ کر دیا مجھے اک شب سلا کے ساتھ

واعظ کے اعتراض سے تنگ آگیا ہوں میں
اسکو بھی دیکھو کبھی تم اک ادا کے ساتھ

اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیب دل
اُٹھے نہ درد دل بھی جو دست دعا کے ساتھ

کرتے ہو تم خوشامد دنیا بڑھا کے ہاتھ
اللہ کی طرف نہیں اُٹھتے دعا کے ہاتھ

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ
وہ بھی ہے بری ہو جو ضرورت سے زیادہ

اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سن لے
سیرت پہ نظر چاہئے صورت سے زیادہ

سید سے علی گڈھ میں یہ جا کر کوئی کہدے
ہے تجھ کو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ

مجھ رند سے اسدرجہ نہو محترز اے شیخ
[illegible]ک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

اِک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
نہ سمجھے کہ کیسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشق بتاں میں اکبر ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلم فخر حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ

دیوانوں سے شعر نہ جنیے سب کا خلاصہ مجھ سے سنیے
آپ کی صورت سبحان اللہ میری نیت توبہ توبہ

مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ

لڑکی کھنچی ہو دست نجس سے بوئے بد بھی آتی ہو اس سے
ایسی حسین بے پیر بھائی صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمن گل کو خزاں لیجائیگی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیب زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے لے برہمن زنار باندھ

سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

خلق تجھ سے بیخبر ہے دے خبر خالق کو تو
تار برقی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں سر بستر پڑا نہ رہ
اکبر جو تجھ کو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصد سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ

نام خدا بڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے
پہ چودہ شبیں وہاں ہیں تو یاں سال چاردہ

یہ عشوہ یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تازی کا ساز بوجھ
یوں بابوان ہند پہ ہے اب نماز بوجھ

کپتان اپنی موج میں ہیں ہم ہیں ڈوبتے
واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ

منصور سر کٹا کے سبک دوش ہوگیا
تھا سخت اسکے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط یاس کی
ہر ایک پر نہ لادیئے بے امتیاز بوجھ

جو کردے حسن کو مشتاق و بیتاب
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

سنا خون جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

آئینہ رکھدے بہار غفلت افزا ہو چکی
دل سنوارا اپنا جوانی خود آرا ہو چکی

خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینت آرائش قصر معلیٰ ہو چکی

بیخودی کی دیکھ لذت کرکے ترک آرزو
ہو چکی حد ہوس مشق تمنا ہو چکی

حسن مطلق کی تصور سے بھی لیدا ایک جام
رُخِ زیبا ہو چکا زلف چلیپا ہو چکی

چل بسے یاران ہمدم اُٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبر فکر دنیا ہو چکی

نکہت گل سے شمیم زلف یاد آ ہی گئی
آج تو مجھ کو نسیم صبح تڑپا ہی گئی

بادۂ عرفاں کی مستی روح کو بھا ہی گئی
عقل سر میں رہ گئی دل میں کچھ اور آ ہی گئی

اس جفا پر بھی طبیعت اس پہ بس آ ہی گئی
اک ادا ظالم نے ایسی کی کہ وہ بھا ہی گئی

عاشقوں میں رسم عیش دنیوی رائج نہیں
قیس کب دولھا بنا لیلیٰ کہاں بیاہی گئی

اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا
رہ گئے سب وہ مگر پر تو ترا پا ہی گئی

مختلف شکلوں میں آکر ہو گئی آخر ہوا
ابر کی پھبتی مری امید پر چھا ہی گئی

عشوہ ہائے دشمن ایماں کا اک طوفان تھا
دیکھ کر بت کو مگر یاد خدا آ ہی گئی

خوش نصیبی زال دنیا کی تعجب خیز ہے
چاہے جانیکے نہ تھی لائق مگر جا ہی گئی

مستی سے ہے نظر انکی تھی تیغ بے نیام
نشۂ عشق و جنوں سے پھر بھی شرما ہی گئی

سیکھ لو بدلی سے تم طرز عمل اے عالمو
جو سمندر سے لیا تھا ہم پہ برسا ہی گئی

اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھا میں
اک بت کافر کی چشم مست تڑپا ہی گئی

رقص کرتی ہے صبا نغمہ سرا ہے بلبل
شاہد گل کے لئے ناچ بھی ہے گانا بھی

ہر رکاوٹ کی وجہ ہے کہ تڑپ جاتا ہے دل
کسی استاد سے تم سیکھے ہو شرمانا بھی

کچھ طرز ستم بھی ہے کچھ انداز وفا بھی
کھلتا نہیں حال انکی طبیعت کا ذرا بھی

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلہ بھی
اب اسکو بھلا دو یہ کچھ اگر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی

سالک کو دم تیغ ہے قطع رہ توحید
دو ہو گیا اک آن میں یہ جو کا جو ذرا بھی

کچھ قدر نہ کی عہد جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامت زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسی جاناں
پسنے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی یہ بھی واعظ کے ہو تلووں یہ بھی انکے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہو حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینئ باطن سے ہو عزت
پامال نظر آتی ہے مجھ کو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھ کو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشق بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہوا ہوگا خدا بھی

نظر لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بد تر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اُٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اٹھے
چلے تو قیامت بپا ہو گئی

پڑھی یاد رخ میں جو میں نے نماز
عجب حسن کے ساتھ ادا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت رسوا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہی تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

میں ممنون ہوں وعدۂ یار کا
تسلی تو خیر اک ذرا ہو گئی

بتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یادِ خدا ہو گئی

اُنھیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خوب اُنھیں پر فدا ہو گئی

مری روح تن سے جدا ہو گئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہو گئی

بہت دخترِ رز تھی رنگیں مزاج
نظر ملتے ہی آشنا ہو گئی

مریضِ محبت ترا مر گیا
خدا کی طرف سے دوا ہو گئی

نہیں تھی تو نام کمر کیوں ہوا
جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہو گئی

نہ تھا منزلِ عافیت کا پتا
قناعت مری رہنما ہو گئی

ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب
مرے گھر بھی یہ بیسوا ہو گئی

ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہو گئی

گھٹی گو کہ رندی سے وقعت مری
طبیعت مگر بے ریا ہو گئی

گوارا نہ تھا ذکرِ خونِ جگر
مگر اب تو میری غذا ہو گئی

بتوں کو محبت نہ ہوتی مری
خدا کا کرم ہو گیا ہو گئی

اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے
عنایت کی آج انتہا ہو گئی

رہِ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقشِ پا ہو گئی

کتابِ حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر اک خبر مبتدا ہو گئی

وہ ساری امیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اُٹھی تھی ہوا ہو گئی

فلک سے مثالِ دل کا سارا اُبھار
جو بدلی اُٹھی تھی ہوا ہو گئی

یہ تھی قیمتِ رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

پھنسی جسمِ خاکی میں روحِ لطیف
اسیرِ کمندِ ہوا ہو گئی

دوا کیا کہ وقت دعا بھی نہیں
تری حالت اکبر یہ کیا ہو گئی

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے
تابش مری جبین پہ نور خدا کی ہے

حبِ علیؑ سے ہوگی دلوں کو شگفتگی
کلیوں کو احتیاج نسیم و صبا کی ہے

رو بہ مزاجیاں سگِ دنیا کی دیکھ ہیں
حسرت بس اب زیارت شیر خدا کی ہے

ق

صورت شگفتہ ہر گلِ رنگیں قبا کی ہے
مستانہ چال باغ میں بادِ صبا کی ہے

آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشکِ آہ
دنیا میں دھوم خوبی آب و ہوا کی ہے

پھولوں سے لو لگائے ہے بادِ صبا کی لے
دمساز تانِ بلبلِ شیریں نوا کی ہے

سبزہ لہک رہا ہے بصد انبساط طبع
سنبل ہے تابِ یار کی زلفِ دوتا کی ہے

مرغانِ باغ وجد میں ہیں فرطِ شوق سے
ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے

آراستہ ہے ایک طرف بزمِ مومنیں
کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے

پوچھا جو اس سماں کا سبب دل اٹھی لٹک
پیدائش آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی

آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا
میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی

وائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی
بُت کو دیکھا تو مجھے یاد خدا بھی آئی

ہوئیں آغازِ جوانی میں نگاہیں نیچی
نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی

ڈس لیا افعیِ شامِ شبِ فرقت نے مجھے
پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اُٹھ گئی اُردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اُسکی وہ قوت نہ رہی

بند کر اپنی زباں ترکِ سخن کر اکبر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹا دے اے دوست
قوتِ دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقعِ بحث نہیں صاحبِ اقبال ہیں آپ
میری ہر بات بُری آپ کی ہر بات اچھی

شب برات اچھی ہو ایجاں نہ اچھی شب قدر
آپ حصے میں مرے آئیں وہی رات اچھی

ہم بغل شاہد دلجو ہو تو جاڑا اچھا
ہم نشیں ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

مائل ضبط بھی ہوں شایق فریاد بھی ہوں
جو پسند آپ کو آ جائے وہی بات اچھی

فتنہ ان آنکھوں سے اٹھا تو مچی واہ کی دھوم
سچ یہ ہے صاحب اقبال کی ہر بات اچھی

ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

آپ کے جور و ستم بھی ہیں دلآویز مجھے
چشم عاشق میں ہے معشوق کی ہر بات اچھی

بار خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد برا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

آپ کا خیر طلب لائق عزت نہ سہی
رحم ہی کیجئے للہ محبت نہ سہی

ہو رہو خاک در پیر مغاں ای اکبر
زندگی لطف سے کٹ جائیگی عزت نہ سہی

کر دیا کنج قناعت میں بسر اکبر نے
عزت دل تو سلامت رہی دولت نہ سہی

سکھ پائے طبیعت جس سے تری رکھ شغل اپنا دن رات وہی
جو دل میں سمائے من بھائے ہے تیرے لئے حق بات وہی

کیا روتا ہے اگلے وقتوں کو تہ کر دے تو اپنے نوجوانوں کو
بھٹکاتی ہیں جو ان سے ہو الگ پھر ان کو ہے دن اور رات وہی

دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا تو اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کے کرم میں کیا ہے کمی بدلی ہے وہی برسات وہی

مری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی

مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذات باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نہیں ہاتھ آتی دولت نام رٹنے سے بزرگوں کے
بجائے جد کے ترکیب زبرجد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر ان کی
جنہیں تسکین بے لعل زمرد ہو نہیں سکتی

ترنم ساز ہستی کا سمجھے کیا لطف دے غافل
تری روح آشنائے صوت سرمد ہو نہیں سکتی

بہار آتی ہے لے واعظ ابھی معذور رکھ مجھ کو
محل توبہ فصل گل کی آمد ہو نہیں سکتی

بری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی

کلیں کو دیکھ کر اک بت میں جھکتا ہوں کسی در پر
نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اس زرم سے ممکن نہیں اکبرؔ
کہ جس میں عزت نام محمدؐ ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
نہ دوا کی نہ سہی رخصت فریاد تو دی

کیا ہوا شمع حرم تو نے بجھا دی اے دوست
دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

بہر رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی
ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی

تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

کھوئے دیتے ہو جو تم مذہب و ملت اے یار
کیا سمجھتے ہو کہ مل جائے گی تقدیر نئی

الفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی

افسوس کہ دل شوق حضوری میں ہے بیتاب
درباں یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

اغیار کی آمد و شد آپ نے جاری
راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص، گل پہ نثار ہو چکی
جوش نشاط ہو چکا صوت ہزار ہو چکی

نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطف نسیم ہو چکا - کاوش خار ہو چکی

رنگ بنفشہ مٹ گیا - سنبل تر نہیں رہا
صحن چمن میں زینت نقش و نگار ہو چکی

مستی لالہ اب کہاں - اسکا پیالہ اب کہاں
دور طرب گذر گیا - آمد یار ہو چکی

رت وہ جو تھی بدل گئی، آئی لہر اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہت مشک تتار ہو چکی

اب تک اسی روش پہ ہے اکبرؔ مست بےخبر
کہدے کوئی عزیز من فصل بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطف یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی

عروس دہر کو آیا تھا پیار ہم پر بھی
یہ بیسوا تھی کسی شب نثار ہم پر بھی

بٹھا چکا ہے زمانہ ہمیں بھی مسند پر
ہوا کیے ہیں جواہر نثار ہم پر بھی

عدو کو بھی جو بنایا ہے تم نے محرم راز
تو فخر کیا جو ہوا اعتبار ہم پر بھی

خطا کسی کی ہو لیکن کھلی جو انکی زباں
تو ہو ہی جاتے ہیں دو ایک وار ہم پر بھی

ہم ایسے رند مگر یہ زمانہ ہے وہ غضب
اکر ڈال ہی دیا دنیا کا بار ہم پر بھی

ہمیں بھی آتش الفت جلا چکی اکبر
حرام ہو گئی دوزخ کی نار ہم پر بھی

انکی نگاہ دشمن اسلام ہی سہی
شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی سہی

یاروں نے سو طرح کے مشاغل کیے بہم
لیکن مجھے تو فکر مے جام ہی رہی

تسکین دل اس بزم میں اللہ نہ پائی
چاہا تھا نکل جائیں مگر راہ نہ پائی

معنی سے معرا نظر آیا مجھے ہر نقش
آنکھوں نے کوئی صورت دلخواہ نہ پائی

غواص رہی بحر حقیقت کی ہمیشہ
فکر حکما نے بھی مگر تھاہ نہ پائی

دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے ہمیں
کچھ لذت شان و حشم و جاہ نہ پائی

بار دل پر غم میں کبھی ہوتی کچھ اس سے
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی

ملت کا ادب اُٹھ گیا جس قوم کے دل سے
اقبال کے سمت اُسنے کبھی راہ نہ پائی

کفر کی رغبت بھی ہے دل میں تو نکی چاہ بھی
کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی

اب تو نقدی پر کوئی صاحب مرا دل خوش کریں
سن چکا ہوں مرحبا بھی آفریں بھی واہ بھی

واہ کیا جلوہ ہے پیش چشم ادراک بشر
شبہ بھی ہاں بھی نہیں بھی وہم بھی واللہ بھی

حالت تو یہ ہو گئی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی

کیا کام چلے اُن کی توجہ نہیں اکبر
اب کہیے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمھاری پالسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

چھپانیکے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہمنے جشن تاجپوشی کی

شکست رنگ مذہب کا اثر دیکھیں سنئے مرشد
مسلمانوںمیں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دیدیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

حسن ہے بے وفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسن قوم مگر
ساتھ ہی اسکے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتان فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بت ہیں رانی بھی

دل مبتلائے غفلت تو ہے محو دیر فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ ملگیا اُسی سے
نہ ہوا ارنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیث حسن مطلق
کہ نہ بار لفظ اُٹھائے گی نزاکت معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطف زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری یہ بھی اس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش جو دیکھا بُت ترسا کا جمال
اسقدر کبر یہ عشوے یہ دھج اللہ غنی

آپکے ہو نہیں سکتے ہیں یہ غربی ریزے
دل نہ ٹھہرے تو نگل جائیے ہیرے کی کنی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے انکے در پر
چست پتلون پہننے پہ بھی پنڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا یہ۔ وہ دین بھی کرتی تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

آئی ہوگی کسی کو ہجر میں موت
مجھ کو تو نیند بھی نہیں آتی

عاقبت میں بشر سے ہے یہ سوا
جانور کو ہنسی نہیں آتی

حال وہ پوچھتے ہیں میں ہوں خموش
کیا کہوں شاعری نہیں آتی

ہم نشیں بک کے اپنا سر نہ پھرا
رنج میں ہوں ہنسی نہیں آتی

عشق کو دل میں دے جگہ اکبرؔ
علم سے شاعری نہیں آتی

دشت غربت ہے علالت بھی ہے تنہائی بھی
اور ان سب پہ فزوں بادیہ پیمائی بھی

خواب راحت ہے کہاں نیند بھی آتی نہیں اب
بس اُچٹ جانے کو آئی جو کبھی آئی بھی

ق

یاد ہے مجھ کو وہ بےفکری و آغاز شباب
سخن آرائی بھی تھی انجمن آرائی بھی

صحن گلزار بھی تھا ساقی گلفام بھی تھا
مے گلرنگ بھی تھی نے بھی تھی اور نائی بھی

نگہ شوق و تمنا کی وہ دلکش تھی کمند
جس سے ہو جاتے تھے رام آہوئے صحرائی بھی

ہم صنم خانہ جہاں کرتے تھے اپنا قائم
پھر کھڑے ہوتے تھے واں حور کے شیدائی بھی

اب نہ وہ عمر نہ وہ لوگ نہ وہ لیل و نہار
بجھ گئی طبع کبھی جوش پہ گر آئی بھی

اب تو شبہے بھی نہ مجھے دیو نظر آتے ہیں
اُس زمانہ میں پری زاد تھی رسوائی بھی

میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اسے
نیند ظالم سے یہ پوچھو کہ کبھی آئی بھی

اب تلک گونڈے سے اُمید رہائی نہیں کچھ
لیجئے ہوگئی ختم آج تو جولانی بھی

کام کی بات جو کہنی ہے وہ کہہ لو اکبرؔ
دم میں چھن جائے گی یہ طاقت گویائی بھی

عشق مذہب میں دو رنگی ہوگئی
دین و دل میں خانہ جنگی ہوگئی

سختی ایام کا دیکھو اثر
گلبدن کی جا یہ سنگی ہوگئی

دختر رز شیشہ سے نکلی بےحجاب
سامنے رندوں کے ننگی ہوگئی

علم یورپ کا ہوا میداں وسیع
رزق میں ہندی کے تنگی ہو گئی

کر دیا نزع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی
ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی

رنگ حافظ پہ بہک جاتے ہیں ارباب مجاز
یہ نہیں سمجھتے وہ بادہ پرستی کیا تھی

فرقت یار میں بدلی کا مزا کچھ نہ ملا
میری نظروں میں تو رُوتی تھی برستی کیا تھی

میں تو بُت خانے میں گاہک نہ ہوا غرت کا
دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی
گمان ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہشی نکلی

غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے
جو دیکھی فال تو بس اُسمیں بند خامشی نکلی

وقت پیری آگیا اکبر جوانی ہو چکی
سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہو چکی

ہجر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہو چکی
ملیے اب بہر خدا نامہربانی ہو چکی

ایڑیوں تک پہنچی زلف اُنکی تو مجکو کیا اُمید
راحت جاں یہ بلائے آسمانی ہو چکی

وقت لطف و مہر ہے اے جان عشوے چھوڑ دے
کیجیے دلداریاں۔ اب دلستانی ہو چکی

ضعف ایسا ہے تو قصد کوئے جاناں کیا کروں
ہمت عالی تو نذر ناتوانی ہو چکی

رنگ گلزار جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات
دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہو چکی

ایک عالم منتظر ہے بس اُٹھائیے اب نقاب
کیجیے برپا قیامت کن ترانی ہو چکی

عاشقی کی ستاہ کالج ہے بربادی عمر
پاس تک پہنچے نہیں ہم اور جوانی ہو چکی

حضرت دل ہو گئے اس عہد میں جزو شکم
کیجیے عرضی نویسی شعر خوانی ہو چکی

رفیق حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی
جو ہیں روباہ طینت اُنمیں شیری ہو نہیں سکتی

کسی کے ساتھ دنیا نے وفا کی ہی نہیں اتبک
تو میں کیوں ہو رہوں اسکا جو میری ہو نہیں سکتی

کہو دن چھپ کے ہوتے کیوں شب تار اُنکی زلفوں کو
جب اُنکے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی

خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہوگی
یہ خاک جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی

محبت اپنی ہی پریوں سے رکھیں حضرت اندر
مس مغرور لندن اُن کی چیری ہو نہیں سکتی

فزوں ہے دلکشی مشرق کی مغرب کی لطافت سے
حریف بلبل گلشن کیری ہو نہیں سکتی

خدا کا ہے جو کچھ ہے آپ ہم دونوں کے مہماں ہیں
خردمندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں سکتی

غزل میں حالت دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر
مگر ان سے کہوں اتنی دلیری ہو نہیں سکتی

طپش دل نہ مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا
بیٹھے تو رہے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

پسند آئی ہے عزلت میں ہوں اب اور گھر کا گوشہ ہے
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے

طبیعت اوج پر ہے رزق مالیحتاج ہے ملتا
ہمیں اک خوشہ گندم یہاں پرویں کا خوشا ہے

طرح پیام یار

اپنا رنگ اُن سے ملانا چاہیئے
آج کل پینا پلانا چاہیئے

خوب وہ کھلا رہے ہیں سبز باغ
ہم کو بھی کچھ گل کھلانا چاہیئے

چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی
توپ سے اس کو ملانا چاہیئے

قول بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
پیش حاکم بلبلانا چاہیئے

کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے
ہاتھ اس مس سے ملانا چاہیئے

دو عالم کی بنا کیا جانے کیا ہے
نشان ماسوا کیا جانے کیا ہے

مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ
دلیل ماسوا کیا جانے کیا ہے

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
بھلا اس کو صبا کیا جانے کیا ہے

ہوا ہوں اُنکا عاشق ہے یہ اک جرم
مگر اس کی سزا کیا جانے کیا ہے

مرے مقصود دل تو بس تمھیں ہو
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے

لگاوٹ بھی ہے ساتھ اسکے جفا بھی
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے

نہ اکبر سا کوئی ناداں نہ ذی ہوش
ہر اک شے کو کہا کیا جانے کیا ہے

ہم ان کی خوشی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے، ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اسکے سوا کچھ نہیں کرتے

بتخانے سے کچھ فیض نہوگا نہیں اکبر
تم یاں بھی بجز ذکر خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

جنونِ عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو با خدا ہوتے

لیا نہ تخلیہ میں ان کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا حس ہی کسے سب ہیں تیرے محو جمال
کبھی سنا نہیں میں نے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گر یہ حسینان چیں کی پابندی
تو ان کی چال سے نقشے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ نہیں خفا ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرضِ حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جس نے آنکھ ہمیں دی ہے وہ قابل دید
پھر اس کو چھوڑ کے کیا محو ماسوا ہوتے

مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشق خدا ہوتے

دلوں کو الفت دنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گناہگاروں نے دیکھا جمال رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمال انساں سے
تو کاش دختر رز ہی کے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرت ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ انکی بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائل جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں نہ دوست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

وضو سے ہو گئی جائز نمازیوں کو
جواز عشق بھی ہوتا جو دل صفا ہوتے

تمہارے حسن کے بھی تذکرے ہیں شہروں میں
مرے سخن کے بھی چرچے ہیں جا بجا ہوتے

محل شکر ہیں اکبر یہ درفشاں نظمیں
ہر اک زباں کو یہ موتی نہیں عطا ہوتے

ضروری کام نیچر کا جو ہو کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو
خیال مرگ سے انسان کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

آپ کے قصر دل آویز کا کہنا کیا ہے
مگر اکبر کو غرض کیا اسے رہنا کیا ہے

سانس لینے کو ذرا ٹھہرا ہوں میں دنیا میں
کیسا سامان اقامت مجھے رہنا کیا ہے

کہہ چکا اس قدر اور پھر وہی الجھن دل کی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

مسکرا کر وہ لگے کہنے کہ ذلت ذلت
جب یہ پوچھا کہ سوا رنج کے سہنا کیا ہے

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے

تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہم کو مطمئن رکھنا
فقیر بینوا ہیں شوکت شاہی نہیں رکھتے

لب آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کے لئے
بکار ہیں جو خدا کو تو بس خدا کے لئے

مقام شوق میں ہاے دل وہ رنگ پیدا کر
نظر زباں بنے عرض مدعا کے لئے

سوائے مرگ نہیں کچھ علاج درد فراق
اجل کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ہم دوا کے لئے

جو ہو سکے تو انھیں لاؤ بس میں اچھا ہوں
یہ اہتمام عبث ہے مری دوا کے لئے

جو آرزوئے اجل ہو تو دل کسی سے لگا
بہانہ چاہیے آخر کوئی قضا کے لئے

شب فراق میں آیا خیال زلف سیاہ
یہ اور طرہ ہوا گیسوئے بلا کے لئے

حسین ہونا ہی کافی ہے ظلم کرنے کو
تلاش عذر یہ کیوں ہے تمہیں جفا کے لئے

بتوں کے واسطے جاتا ہوں میں تو جانب دیر
سدھاریں شیخ ہی جی کعبہ کو خدا کے لئے

جہاں جہاں صفت اس فخر انبیا کے لئے
کہ عالم اس کے لئے اور وہ خدا کے لئے

طریق عشق میں دل خضر بن سکے بیچارہ یا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے
زبان و چشم بتاں کا نہ پوچھیے عالم
وہ شوخیوں کے لئے یہ ہے حیا کے لئے
حسن آب دل کو جو اُسنے کیا تو خوب کیا
بنا بھی تھا یہ اُسی چشم فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے
از راہ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے
نیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے
ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم ان سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

وہ ہی دن میں رخ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمن ادھر سے دل سرد ہوا جاتا ہے
علم و تقوے پہ بڑا ناز تھا مجھ کو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے
ہو رہی ہے مری فریاد کی اُلٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

یہ بت جو دلکش ہیں آج اتنے یہ روح پر کل عذاب ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرت دل تو آپ اکدن خراب ہونگے
ہماری حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سوچیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا خواب ہونگے
ڈنر کا مجھ کو نہیں ہے چسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
شراب ہوگی کباب ہونگے حضور عالی جناب ہونگے
بگاڑ میں بھی بنے رہینگے جو مستند طرز پر ہیں قائم
جو بے اصولی کے ہیں مقلد وہ ہو کے ابتر خراب ہونگے

خواہش زر میں نئی تہذیب کے پیرو بنے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر گنج معائب ہو گئے
بوسے ہی تک ہم تو پہونچے تھے رہ تہذیب میں
کھائی وہ منہ کی کہ اب اس سے بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرق مراتب ضرور ہے
بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے
دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری نہ ہو تقدیر مناسب تو یہی ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے
کرتا ہے حقارت کی نظر پیر مغاں بھی
افسوس اگر اُن سے شراب اب بھی نہ چھوٹے

قلعی بھی ریا کار کی کھلتی رہے اکبر
طعنوں سے مگر طرز مہذب بھی نہ چھوٹے

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہو تو یہ ہے
نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہو تو یہ ہے

کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مس رعنا
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہو تو یہ ہے

یہ بات تو اچھی ہے کہ الفت ہو مسوں سے
حور ان کو سمجھتے ہیں قیامت ہو تو یہ ہے

پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلینڈ
زلفوں میں الجھ آتے ہیں شامت ہو تو یہ ہے

پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہو تو یہ ہے

عبث ہر طاقت و دولت پہ تجکو رشک و حسرت ہے
نہ ہر طاقت میں نیکی ہے نہ ہر دولت میں راحت ہے

تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور و غوغا پر
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے

مجھے بے چین کرتا ہے نظارہ سنبل و گل کا
ادھر ہے پیچ گیسو کا ادھر عارض کی رنگت ہے

فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر
طلسم زندگانی بھی عجب اک راز فطرت ہے

کون ایسا ہے جو یوں مجھ پہ عنایت رکھے
صد و سی سال خدا تم کو سلامت رکھے

سچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
بت کو چاہے تو برہمن کی طبیعت رکھے

نہ شریعت نہ طریقت نہ محبت نہ حیا
جس پہ جو چاہے وہ اس عہد میں تہمت رکھے

آدمی کے لئے دنیا میں مصائب ہیں بہت
خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے

کیا بتاؤں تمہیں اچھائی کی پہچان اکبر
بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

میرے حواس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے

دل جسکے ہاتھ میں ہو نہ ہو اس پہ دسترس
بیشک یہ اہل دل پہ مصیبت کی بات ہے

پروانہ رینگتا رہے اور شمع جل بجھے
اس سے زیادہ کون سی ذلت کی بات ہے

مطلق نہیں محل عجب موت وہم میں
مجھ کو تو یہ حیات ہی حیرت کی بات ہے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں
دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے

راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے
موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار مری جان یہ کوئی بات بھی ہے

لطفِ ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمتِ حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے غلغلۂ کائنات سے
جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کو پیش آئے تھے حالات ایسے
یہی باعث تھا کہ بیچین تھے ہم رات ایسے

میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو
تذکرے خوب نہیں وقتِ ملاقات ایسے

ان کو واپس کیا یہ کہکے کہ تائب ہوئے وہ
ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بذات ایسے

دشمنِ دیں سے تمھیں ہوگی کچھ امید فلاح
ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے

اے دل اس ابرو و مژگان و نظر سے دبجا
صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے

بحث بیجا ہے کہ طاعت پہ کریں دلکو رجوع
پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہل کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرزِ سخن
حسنِ بندش تو یہ اور اس پہ خیالات ایسے

گئے ملت سے جو، دیکھی گی دنیا ان کو عبرت سے
گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

قیامت کر رہی ہیں لعبتانِ مغربی اکبر
تھیٹر کو بڑھایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر
جو سچ پوچھو تو حسنِ بمبئی ہے اسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے
واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے

دل ملیں تو کیا ملیں اہل قوم کے بہم
ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج سے

اکبر تو کچھ آرام سے ہو نظر بند بند سے
آخر ضرر ہوا تمھیں ناصح کی پند سے

سرائے دہر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام
یہاں بھی کیا کوئی دل آن[1] کر ٹھہرتا ہے

[1] اب متروک ہے ۱۲

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ تو لیتے
ہوتے نہ خریدار مگر دیکھ تو لیتے

ہو گئے اہلِ خرد دہر کے چکر میں پھنسے
وہی اچھے جو تری زلفِ معنبر میں پھنسے

دل کو مرے فروغ تمہاری نظر سے ہے
بجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے
چشمِ عبرت کے لئے دنیا محلِ غور ہے

لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف
ہے جنوں یاروں کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے

بستان بخور بنوش بزن کار دہر ہے
دل اسمیں اہلِ دل جو لگائیں تو قہر ہے

بس ذکر ہی میں بادۂ گلگوں کے ہے مزا
چکھنا نہ ہم نشیں اسے واللہ زہر ہے

ملک میں مجکو ذلیل و خوار رہنے دیجئے
آپ اپنی عزتِ دربار رہنے دیجئے

دل ہی دلمیں باہمی اقرار رہنے دیجئے
بس خدا ہی کو گواہ اے یار رہنے دیجئے

اتقا کا آج کل اظہار رہنے دیجئے
پیجئے قبلہ یہ استغفار رہنے دیجئے

خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجئے
آپ ہی یہ غمزہ و انکار رہنے دیجئے

دیکھئے گا لطف کیا کیا گل کھلیں گے شوق سے
مجکو آپ اپنے گلے کا ہار رہنے دیجئے

چاندنی برسات کی نکھری ہی چلتی ہے نسیم
آج تو للہ یہ انکار رہنے دیجئے

چشمِ بد دور آپکی نظریں ہیں خود موجِ شراب
بس مجھے بے مے پیئے سرشار رہنے دیجئے

کیجئے اپنی نگاہِ فتنہ افزا کا علاج
نرگسِ بیمار کو بیمار رہنے دیجئے

کس بلاغت سے کہا اُسنے کہ رکھئے حد میں شوق
مدعا کو قابلِ اظہار رہنے دیجئے

لن ترانی خود شرابِ معرفت ہے اے کلیم
آرزوئے شربتِ دیدار رہنے دیجئے

چھوٹنے کا میں نہیں اب آپکو اے جانِ جاں
ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجئے

کیجئے ثابت خوش اخلاقی سے اپنی خوبیاں
یہ نمودِ جبہ و دستار رہنے دیجئے

ظالمانہ مشوروں میں میں نہیں ہونگا شریک
غیر ہی کو محرمِ اسرار رہنے دیجئے

کھل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ
خیر خندہ لیجئے طومار رہنے دیجئے

کیجئے رشوت ستانی سے ذرا پرہیز آپ
خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے

مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث و جدال
بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے

ٹیمز میں ممکن نہیں نظارۂ موجِ فرات
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اُس بحرِ خوبی سے نہونگے اکبرؔ آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

سو رنگ تصور میں ہم ایجان در آئے
ہر رنگ میں تم آفتِ ایماں نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہِ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھ کو
ناصح سے تو پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے

یہ حُسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر ٹوٹ کر آئے

بے رونقی انجمنِ عشق نہ چاہی
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طالبِ گوہر پئے تزئیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آ کے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مری نگاہ میں حور ہی کیلئے
مسیں بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کیلئے

کوئی گناہ ہو مدِ نظر معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے

خلافِ شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے
جان پہ میری بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

دل پہ مری ہیں انکی دانت میں ہوں لب انکے چوستا
دولتِ وصلِ یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے

شرط لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی
وعدے پہ کیا خوشی کروں اسمیں حبابِ اگر بھی ہے

دنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے
شاید ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے

اے صانعِ ازل تری قدرت کے میں نثار
کیا صورتیں بنائیں ہیں مُشتِ غبار سے

تری باتوں سے گو دل میں ملال اے یار آتا ہے
گر جب دیکھتا ہوں تیری صورت پیار آتا ہے

جو جلتا ہے دل سوزاں کا انجن راہ الفت میں
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

جو راہ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

دل ہو خراب دیں پہ جو کچھ اثر پڑے
اب کار عاشقی تو بہر کیف کر پڑے

عشق بتاں کا دیں پہ جو کچھ اثر پڑے
اتبو نباہنا ہے جو اک کام کر پڑے

مذہب چھڑایا عشوۂ دنیا نے شیخ سے
دیکھی جو ریل اونٹ سے آخر اتر پڑے

بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
یہ کیا ضرور تھا کہ انھیں پر نظر پڑے

بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
ایسا نہ ہو کہ راہ میں دشمن کا گھر پڑے

ہم چاہتے ہیں میل وجود و عدم میں ہو
ممکن تو ہے جو بیچ میں انکی کمر پڑے

دانا وہی ہے دل جو کرے آپکا خیال
بینا وہی نظر ہے کہ جو آپ پر پڑے

ہونی نہ چاہیے تھی محبت مگر ہوئی
پڑنا نہ چاہیے تھا غضب میں مگر پڑے

شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہے
اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے

اے شیخ ان بتوں کی یہ چالاکیاں تو دیکھ
نکلے اگر حرم سے تو اکبر کے گھر پڑے

ادھر ہماری تو یہ لگاوٹ حضور آئیے حضور ایسے
ادھر یہ فرما کے مسکرانا کہ ہونگے کم اہل زر دل ایسے

خدا کی ہستی میں شبہ کرنا اور اپنی ہستی کو مان لینا
پھر اسپہ طرہ اس ادعا کا کہ ہم ہیں اہل شعور ایسے

ہمیں نے چاہا نہ قرب اسکا فریب دنیا کے دوں میں آکر
وگرنہ ایمان کی جو پوچھو تو تھے وہ کچھ ہم سے دور ایسے

ہمارے مصحف ایماں کا اول ہے نہ آخر ہے
خدا کی شان آیت ہے مذاق دل مفسر ہے

قرآن چھوڑ بھاگے شیطان کے مقابل
اس معرکہ میں اکثر احباب ہیز نکلے

بوڑھے ہنسی کو اپنی ثابت کریں تو کیونکر
جب دانت نہیں ہے پھر کون چیز نکلے

مجنوں نے نام پایا لور کوہ کن بھی ابھرا
اس مدرسے کے لڑکے سب خوش تمیز نکلے

جو قانع ہے کسی دن اسکی قسمت لڑ ہی جاتی ہے
جو اہلِ حرص ہیں اُنپر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

حسینانِ جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہے
دل آ ہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

جوانی میں ہلاکت دل کی ہے اُسکا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گرمیوں میں سڑ ہی جاتی ہے

گلستاں میں گلِ رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اس لعل پر الماسِ شبنم جڑ ہی جاتی ہے

ق

ہے قوم جسم سلطنت اسمیں ہے مثلِ روح
جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے

سعیِ شغال و گرگ سے جنبش ہوئی اگر
نافہم نہ سمجھے قوم میں خود انتعاش ہے

البتہ زندگانیِ شخصی کا ہے وجود
قانون میں ہر اک کے لئے زندہ باش ہے

پیمانہائے ساختۂ شاہِ وقت پر
محدود طالبین کی فکرِ معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اسکی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جزوِ غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا
اسپر بھی یہ عتاب کہ تو بدمعاش ہے

اپنے برتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اس کو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتے ہیں زلفوں سے میں گو ہوں ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطفِ باری تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب
بس خوشامد سے کوئی اُن کو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اُس مس شوخ سے راحت نہ ملے گی مجھ کو
عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

مثلِ بلبل زمزموں کا خود یہاں اک رنگ ہے
ارغنوں اس انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطربِ شیریں نوا
ہر نفس سینے میں اک موجِ صدائے چنگ ہے

ہر تصور ہی مرا عکس جمال رُوئے دوست
میرا ہر مجموعۂ رُو ہم اک گل خوش رنگ ہی

لوحِ دل ہر جنبش مژگاں سے ہی معنی پذیر
ہر رگ اندیشہ نقش خامۂ ارژنگ ہی

ہر حباب بحر جوش طبع ہی اک آسماں
دشت دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہم سنگ ہی

عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر
اے بت کافر مری آنکھوں میں فیض گنگ ہی

نظم اکبر سے بلاغت سیکھ لیں ارباب عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہی

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

اُلجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طول امل سے

ان کی نگہ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے

اور اک نئے آنکھیں شب اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہوا روشنی صبح ازل سے

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہی
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسن عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چُپ
عظمت تجھے پیغام کی ظاہر ہی اجل سے

درجہ متحیر کا ہے سب سے فروتر
ہے روح کو اُمید ترقی کی اجل سے

بحث کہن و نو میں سمجھتا نہیں اکبرؔ
جو ذرہ ہی موجود ہے وہ روز ازل سے

ہو دعوے توحید مبارک تمھیں اکبرؔ
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرز عمل سے

مذہب ہی سے حفاظت قومی ہی اے عزیز
نادان ہے کو اڑ ہٹائے جو چول سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھیے کمال فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آئے میرے کروں اسطرف کو رُخ
تخصیص ہر وسے ہی نہ وحشت ببول سے

ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو ممد قوم
خالی ملے جو ذکر خدا و رسولؐ سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہیں کہ گویا آب زمزم مے میں داخل ہی

کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اے اکبر
یہ تیرا ایک مطلع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

دین و ملت کی ترقی کا خیال اچھا ہے
اصل مضبوط ہو جس کی وہ نہال اچھا ہے

بخدا ہند کے پُرنے بھی غضب ڈھاتے ہیں
یہ غلط ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے

گھر کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا چہلم اسکا
پانیر لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

طائر رنگ چمن اُڑنے کو پر تولے ہے
آشیاں ایسے گلستاں میں نہ بلبل باندھے

ہوئے مطلوب جسے زادِ رہِ منزلِ فقر
گرہ صبر میں وہ نقد توکل باندھے

نظر آئے شبِ تاریک میں جگنو کی چمک
وہ جو تعویذ طلائی تہِ کاکل باندھے

کبھی ہے صبح عید اسمیں کبھی شام محرم ہے
یہ عالم چشم بینا کے لئے عبرت کا عالم ہے

دوا ہے کالج اور کونسل سوا اسکی ہے فراوانی
غذا ہے راحت دل اور دولت اور وہ بہت کم ہے

تمہاری بحثوں سے میرے شبہے خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتے
مگر یہ بات آگئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

یہ حسن ہی سے کہ ہو عشق پیدا یہ عشق ہی سے مصیبتیں ہیں
جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے

تمہارے عشوے تمہارے غمزے نگاہ ساقی کی ہیں موید
وگرنہ تقوی کی ٹوٹ جاتی کلے اتنے ساماں بہم نہ ہوتے

کہا سکندر نے یہ بحسرت جب آگیا اسکا وقت رحلت
کہ سہل تر ہوتی نزع ہمیں جو محو جاہ و حشم نہ ہوتے

بلندیاں ہوتی ہیں مخالف جو پستیوں پر ہو میل دل کا
زمیں کے فتنوں میں گر نہ پھنستے فلک کے جور و ستم نہ ہوتے

مذاق فطرت میں بس نجاتے جو قامت و گیسوئے حسیناں
یہ راستی سرو میں نہ ہوتی یہ سنبل تر میں خم نہ ہوتے

تری ترقی مرا تنزل تری جفائیں مرا تحمل
فلک کی گردش کا لطف کیا تھا جو تو نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

یہ موجودہ طریقے راہیِ ملکِ عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

نئے عنواں سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے

نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجبِ روئے صنم ہونگے

بدل جائیگا انداز طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہونگے

نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیبِ رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلینگے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال سم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب کے کم ہونگے

گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمھیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

ہوسِ وحشتِ بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس تجارت گاہِ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

پیشِ نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے
دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے

یہ گیسوے معنبر یہ چشمِ سحر آگیں
کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ہے ستم ہے

سیّد کی روشنی کو اللہ رکھے قائم
بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع منت صاحب
بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

کبھی خوشیاں رہینگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے
جو امیدیں کریگا کم اُسے صدمے بھی کم ہونگے

اسبابِ انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے

جانیکی اس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
مجلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمھارے
سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمھارے

ایمان ہو یا کفر ہو سچ بات تو یہ ہے
اسلام تمھارا ہے مسلمان تمھارے

مصرع طرح پیام یار

اس میں عکس آپ کا اتاریں گے
دل کو اپنے یونہیں سنواریں گے

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے
جان ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

آپ ناحق پہ اور ہم حق پر
آپ سے ہم کبھی نہ ہاریں گے

ہم سے کرتی ہے یہ بہت غمزے
ہم بھی دنیا پہ لات ماریں گے

رزق مقسوم ہی ملے گا اُسے
کوئی دنیا میں ڈوری یاریں گے

عشق کہتا ہے لطف ہونگے بڑے
ہجر کہتا ہے جان ماریں گے

لیجئے جان ہے یہی جو خوشی
کیجئے ظلم دم نہ ماریں گے

دل کی افسردگی نہ جائے گی
ہاں وہ چاہینگے تو اُبھاریں گے

مبتلائے بلا تو ہوں غافل
یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

لائے بھی تو خدا کہیں وہ گھڑی
کہتے ہیں تجھ کو خوب ماریں گے

دل نہ دونگا میں آپ کو ہرگز
مفت میں آپ جاں ماریں گے

مبلغ قوم میں رہا کیا ہے
صرف شیخی ہی آپ بگھاریں گے

پند اکبر کو دینگے کیا ناصح
گل کو کیا باغباں سنواریں گے

ضد ہے انھیں پورا مرا ارماں نکرینگے
منہ سے جو نہیں نکلی ہو اب ہاں نکرینگے

کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے
کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نکرینگے

ہے ذہن میں اک بات تمھارے متعلق
خلوت میں جو پوچھو گے تو پنہاں نکرینگے

واعظ تو بتاتے ہیں مسلمان کو کافر
افسوس یہ کافر کو مسلماں نکرینگے

کیوں شکر گذاری کا مجھے شوق ہے اتنا
سنتا ہوں وہ مجھ پر کوئی احساں نکرینگے

دیوانہ نہ سمجھے ہیں وہ نہ سمجھے شرابی
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہی مہمان

اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کرینگے
آئیں گے تو مجھ پر کوئی احسان نہ کرینگے

اہل غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
اُٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر

تا چرخ بھی پہونچگے وہ شیطان ہی رہی
پیش صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہی

بت ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
نہیں ہے دل ہی پہ صرف آفت یہاں تو خطرے میں دین بھی ہے

اگرچہ مغرب سے ساز دل ہے مرید آہنگ مشرقی ہوں
اگر پیانو ہے انجمن میں محل خلوت میں بین بھی ہے

رعایت لعل لب سے میں نے کہا اسے مالک بدخشاں
تو بولا یونہی نہ چڑھا کے دیکھو جبیں کی قبضہ میں چین بھی ہے

ہمارے جھگڑے ذکی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
کہ جیب میں نے ہے گھر میں نہ ان ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے

ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور انکی سوئی بھی ہے وہ آفت
کہ صاف بھی ہے چمک بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے

دعا کو بھی وہ کبھی ہے اُٹھتا اسے ہے دزات صرف چکر
خدا کی قدرت کے کارخانہ میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشین ہے
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے

دیکھا نہیں کسی نے اس یار نازنیں کو
لیکن سُنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے

روحانیت کے بدلے آنکھوں میں خاک ہے اب
اسمیں ہی وہی تھا اسمیں نہیں نہیں ہے

تصدیق سے قریں ہو کیوں کر ترا تصور
اک لفظ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے

کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و غیرت کا مضموں ہے
نہ جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلیٰ ہے نہ مجنوں ہے

وہ تنگ بزم اک اب کہاں بہتر ہے اُٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیر سکوں جان محزوں ہے

فتنہ اُٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کار الفت پہ تو اب حضرت دل ٹھن بیٹھے

کیوں نہ اس سے مرا دل اے بت بدظن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے

بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
اُٹھ گئے رشک سے پھر ہا ہیں نہ دشمن بیٹھے

شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

شوخیاں شوق سے کر مجھ کو بھی لطف آتا ہے
سچ کہا تو نے کہ نکلا مرا دشمن بیٹھے

سوئے دولت نظر آئی نہ جو راہ اعزاز
مسند صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے

نظر اُٹھی تو اُٹھائے گئے نظروں سے گرے
غلطی کی ترے پاس اے بتِ بدظن بیٹھے

ہوں میں وہ رند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
فیصلے کے لئے حوروں کا کمیشن بیٹھے

انقلابِ روشِ چرخ کو دیکھ اے اکبر
کل جو تھے دوست مرے آج عدو بن بیٹھے

ہند سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر
ہم تو گنگا ہی پہ اب مار کے آسن بیٹھے

کیا ملا عرض آن و ایں کر کے
چل دیئے وہ چناں چنیں کر کے

فائدہ کیا کہ پھر کہوں ان سے
کر چکے ہاں وہ اب نہیں کر کے

فتنے مسجد میں اُٹھتے ہیں اکبر
دیر میں بیٹھ ترک دیں کر کے

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
وہ حسینوں میں رنگ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رُخ نہ رہے در دیر پہ نقش جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہد الست رہے
وہ طریقۂ کار جہاں نہ رہا وہ مشاغل رونق دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہل وفا کیلئے غم ملت و الفت دیں نہ رہے

ترے کوچہ زلف میں دل ہے مرا اب اسے میں سمجھتا ہوں دام بلا
یہ عجب ستم ہے عجب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے

تمھارے ہی دم سے ہے بزم طرب ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اُٹھائیگا کیا کہ جو رونق بزم تمہیں نہ رہے

جو تھیں چشم فلک کی بھی نور نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشاں بھی انکے کہیں نہ رہے

وہی صورتیں رہ گئیں پیش نظر جو زمانہ کو پھیریں اِدھر سے اُدھر
مگر ایسے جمال جہاں آرا جو تھے رونق روئے زمیں نہ رہے

غم و رنج میں اکبر اگر ہے گھرا تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے
چھڑا دے مجھ کو یارب فکر کی سخت پھندوں سے

غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں ؎
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے

کباب آیا تو کیا جب دل ہوا جل کر کباب اپنا
مجھے نان جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے

یہ خواہش ہے کہ ذکر حق سے دل تازہ رہے ہر دم
خداوندا ملا دے مجھ کو اپنے نیک بندوں سے

مسلمانوں کی خوشحالی کی بیشک دھن ہے سیّد کو
مگر یہ کام نکلے گا نہ لکچر سے نہ چندوں سے

درستی تخت عزت کی کہاں اب کیل کانٹوں میں
توقع شہسواری کی نہ رکھو نعل بندوں سے

کجا وہ گیسوئے مشکیں کجا وہ ڈھیلی اینچیں
دل وحشی اکبر پھنس چکا ایسی کمندوں سے

ترچھی نظر سے کیجئے عشاق کا شکار
کیا احتیاج آپ کو تیر و کماں کی ہے

ڈیر فرنڈ نہ کہئے جناب من تو ہے
حضور مجھ سے کوئی صورت سخن تو ہے

جو زر نہیں ہے نہ ہو دولت سخن تو ہے
نہیں جو بنگ تو کیا غم ہے کہن تو ہے

رسائی اپنی ہے ان تک نہیں ہے غیر کو دخل
پھر اپنا اپنا طریقہ تو ہے چلن تو ہے

سینے سے لگائیں تمھیں ارمان یہی ہے
جینے کا مزا ہے تو مری جان یہی ہے

صبر اسلئے اچھا ہے کہ آیندہ ہے امید
موت اسلئے بہتر ہے کہ آسان یہی ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

گیسو کے شریک اور بھی تھے قتل میں میرے
کیا وجہ ہے اس کی کہ پریشان یہی ہے

دل تیری محبت میں دو عالم کو بھلا دے
مذہب ہے یہی اور مرا ایمان یہی ہے

اس بت نے کہا بوسۂ بے اذن پہ ہنسکر
بس دیکھ لیا آپ کا ایمان ۔ یہی ہے

کرتے ہیں بتدریج وہ ظلموں میں اضافہ
مجھ پر اگر ان کا ہے کچھ احسان یہی ہے

ہم فلسفہ کو کہتے ہیں گمراہی کا باعث
وہ سیٹ دکھاتے ہیں کہ شیطان یہی ہے

اکبر کو دعا دیتے ہیں احباب یہ کہہ کر
اب اپنی جماعت میں مسلمان یہی ہے

؎ یعنی دنیا کے دھندوں سے ۱۲

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے — وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے
جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی — بڑھاپے میں نتیجے اسکے یادان دیکھیں گے
حسینان عدوئے اتقا کا سامنا ہوگا — میں دیکھونگا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

عقل ہے ایماں ہے دل ہے جان ہے — لیجئے سب آپ پر قربان ہے
خوبیِ مذہب دم آخر کھلی — نزع میں مونس فقط ایمان ہے
دل کے یاروں سے ہوا شوق گناہ — آدمی کا آدمی شیطان ہے
کیا مجھے کرتے ہو زندوں میں شمار — سانس لیتا ہوں بس اتنی جان ہے
خود بنا ہے کیا وہ بت اتنا حسیں — لطف فطرت ہے، خدا کی شان ہے
سعی بازو سے کرے جو کسب رزق — بس وہی اللہ کا مہمان ہے
لطف ساقی سے نہ چھلکے جام دل — ظرف عالی کی یہی پہچان ہے
دل جسے سمجھا ہے سامان وقار — غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے
بوئے قرنی ہے تعجب موت پر — عقل تو جینے ہی پر حیران ہے
عالم ہستی پہ حیرت ہے مجھے — ق — کس لئے آخر یہ سب سامان ہے
یا مصیبت ام معنی خیز ہے — یا یہ نیچر خود بہت نادان ہے
اس کی نادانی مگر مانیگا کون — ذرہ ذرہ عاقلی کی جان ہے
پھر اٹھی ہے آپ کی تیغ ستم — مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے
حکم خاموشی ہے اور میری زباں — آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

لطف تھا جنسے نظارے کا حسیں وہ نہ رہے — جنسے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے
میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا — مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمھیں وہ نہ رہے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے — غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے
بہار میں بھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو — صبا سے بھی گل داغ جگر کی بو آئے
بتوں کے ظلم کو کر دوں میں ہر طرح ثابت — مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے
کیا ہے نشۂ الفت نے مائل گریہ — شراب پینے کو آخر کنار جو آئے
تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح — کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے
تری جدائی سے ہے روح پر یہ ظلم جو اس — میں اپنے آپ میں پھر کیوں ہوں جو تو آئے
ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال — کلام پختہ ہے جب درد دل کی بو آئے
لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے — قدم تو اس بت بیدیں کے ہم بھی چھو آئے
کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آپہونچا — جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے
وہ مے نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو — کہ ہو قدم کو نہ لغزش نہ منہ سے بو آئے

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے — شکایت کیا اگر دست سبو سے اب وضو ٹوٹے
کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسن لطف ساقی دوراں — ہزاروں شیشۂ تقوے پڑے ہیں چارسو ٹوٹے
شکست نیت طوف حرم تجھ سے ہوئی اے دل — سزا ہے اس بت ظالم کے ہاتھوں سے جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے نفع یورپین نان پاؤ سے — میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
تنہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیچتا — ناحق مجھے ذلیل کیا جاؤ جاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے — لیکن خرید ہو جو علی گڈھ کے بھاؤ سے

سب لے نالۂ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے — قہر اس پہ یہ ہے اسکا سبب کہہ نہیں سکتے
موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں — دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے
پتوار شکستہ ہے نہیں طاقت ترمیم — ہے ناؤ میں سوراخ مگر کہہ نہیں سکتے
کہہ دیں گے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس — کیوں کر یہ کہیں ظلم و ستم سہہ نہیں سکتے
عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولے — تحقیر اب ایسی ہے جسے سہہ نہیں سکتے

ہم نے یہ نکتہ سنا اک مردِ حق آگاہ سے　　پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے
ضعفِ مذہب ہو گیا ہے باعثِ طولِ سخن　　گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذی جاہ سے
ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات پر　　کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ سے
آپ فرماتے ہیں تجھ سے مجھ کو الفت ہے بہت　　اور ثابت کرتے ہیں اس کو فقط واللہ سے

ان بتانِ بیوفا کے حسن کا دلدادہ ہے　　فکر ہے اکبرؔ کی رنگیں دل نہایت سادہ ہے
رقص پروانے کا گردِ شمع دیکھیں اہلِ ذوق　　کس خوشی سے جان دینے کیلئے آمادہ ہے
مائلِ خالق مجھے کرتی ہے یاں رفتارِ خلق　　چشمِ بینا کے لئے ہر نقشِ پا سجادہ ہے

کہاں تسکینِ خاطر نالہ جانکاہ کرنے سے　　بھڑکتی ہے آتشِ دل اور بھی ہے آہ کرنے سے
یہ دورِ آسماں خضرِ طریقت ہو نہیں سکتا　　خدا را اے خرد باز آ مجھے گمراہ کرنے سے
وہ کون ایسی نظر ہے جو نہو محو ایسی صورت پر　　وہ کون ایسی زباں ہے رک سکی جو آہ کرنے سے
مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھ کر دل نے　　کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

فلک　مسوں کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے　　چلیں گے ہم بھی اُسی رُخ جدھر زمانہ چلے
میں جانتا ہوں نہ چھوڑینگے آپ چال اپنی　　کسی کا کام چلے اے حضور یا نہ چلے
خدا کے واسطے ساقی یہی نگاہِ کرم　　چلا ہے دور تو پھر کیوں رُکے چلا نہ چلے
کھلا ہے باغِ قناعت میں غنچۂ خاطر　　خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے
نصیب ہو نہ سکی دولتِ قدم بوسی　　ادب سے چُوم سکے حضرت کا آستانہ چلے
فروغِ عشق کا بے آہ کے نہیں ممکن　　نہ پھیلے بُوئے گلستاں اگر ہوا نہ چلے
کھلے کو اڑ جو کمرے کے پھر کسی کو کیا　　یہ حکم بھی تو ہوا ہے کہ راستا نہ چلے
اُمید حور میں مسلم تو ہو گیا ہوں مگر　　خدا ہی ہے کہ مجھ سے یہ بیجگانہ چلے

خودی کی حس سے بھی ہوتا ہے انتشار اکبرؔ
کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

حضور اردو کو بھی خوش کرنیکی فکر البتہ فرمائیں
ہماری کیا ہے شاعر کیلئے اک واہ کافی ہے
خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا
مری تسکیں دل کے واسطے اللہ کافی ہے

نہایت ناپسند ان کو ہے یاد مرگ اے اکبر
مگر اسکے بھلا دینے کو حب جاہ کافی ہے

وصف قد یار میں مصروف میرا خامہ ہے
میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

میرے دل کو وہ بت دلخواہ جو چاہے کرے
اب تو دے ڈالا اسے اللہ جو چاہے کرے
حضرت اکبر سا ضابطہ اور یہ بیتابیاں
آپ کی ترچھی نظر واللہ جو چاہے کرے
منزل صدق و صفا ہے ہر طرح خطروں سے پاک
نیکبختوں میں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے
قاضی و مفتی ہیں غرق بادہ مستی و کبر
قوم کا ضعف اور حب جاہ جو چاہے کرے
شیخ کی منطق ہو یا چشم فسوں ساز بتاں
سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے
دیکھ کر پوتھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں
شادی تو آساں نہیں ہے بیاہ جو چاہے کرے
خرچ کی تفصیل پوچھونگا نہ مانگوں گا حساب
لیلے وہ بت کل مری تنخواہ جو چاہے کرے
اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں
سچ یہ ہے افزونیٔ تنخواہ جو چاہے کرے

با اثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جوش میں یوں آ کے اکبر آہ جو چاہے کرے

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے
کیا غم ہے تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہ کے آگے
منطق بھی ہے قانون شہادت بھی خرد بھی
سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

ان کی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے
بس رہ گئے یہ کہہ کر مارا ہمیں اسی نے
چمکے ہیں بزم جم میں اب گیسوئے طلائی
سکہ نیا بٹھایا گردوں کی پالیسی نے
کیا حال دل سنائیں کیا سر قدم پہ رکھیں
مایوس کر دیا ہے اس بت کی بےحسی نے
جاؤ ہے آسماں پر ابر و شفق کا گویا
اچھا سماں دکھایا لب پر تری مسی نے

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھ کو غشی ہے
یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے

انکار دو عالم سے کیا ہے مجھے بیمار
سنتا ہوں علاج اس کا فقط بادہ کشی ہے

مجبور یہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
دولت نہ رہی پاس تو اب ہی ہے نہ شی ہے

میں کونسا منہ لیکے انھیں شکل دکھاؤں
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

ادھر ہے جلوۂ مضموں ادھر حسن قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانے کو کافی ہے

جناب شیخ ہی کو فکر اسناد معانی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمین شعر کافی ہے

تیری زلفوں میں کافری ہے
تیری آنکھوں میں ساحری ہے

اللہ رے مصائب شب ہجر
گویا ہر سانس آخری ہے

کہنے لگے سن کے نظم میری
دقیانوسی یہ شاعری ہے

اُٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کیلئے
یاد تیری رل گئی ہے ہم نشینی کیلئے

مطیع و تابع فرماں کو عذر ہی کیا ہے
کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے

جناب شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
کہو کہ اس سے بھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے

صدائے صور کی ہے ابتدا زمانہ میں
بڑھے گی اسکی بتدریج لے ابھی کیا ہے

وہ عشق کیا جو نہ ہو ہادی طریق کمال
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے

ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصود زندگی کیا ہے

بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کیلئے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کیا ہے

مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے

جو تیرے محو ہیں اُن کو بتوں سے کیا مطلب
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے

اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گل تر کو بھلا اس عارض رنگیں سے کیا نسبت
کہ اس پر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹپکتی ہے

تماشے کان کی بجلی عیاں ہے قرب عارض میں
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اُٹھا ہی نہ سکے
ان کو ہم قصۂ غم اپنا سنا ہی نہ سکے

ذہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پہ محیط
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے

دیکھ لیتے جو انھیں تو مجھے رکھتے معذور
شیخ صاحب مگر اُس بزم میں جا ہی نہ سکے

عقل مہنگی ہے بہت عشق خلاف تہذیب
دلکو اس عہد میں ہم کام میں لا ہی نہ سکے

ہم تو خود چاہتے تھے چین سے بیٹھیں کوئی دم
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے

عشق کامل ہے اسی کا کہ پتنگوں کی طرح
تاب نظارۂ معشوق کی لا ہی نہ سکے

دام ہستی کی بھی ترکیب عجب رکھی ہے
جو پھنسے اسمیں وہ پھر جان بچا ہی نہ سکے

مظہر جلوۂ جاناں ہے ہر اک شے اکبر
بے ادب آنکھ کسی سمت اُٹھا ہی نہ سکے

ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبر
کہ جو خالق کیطرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

جو زاہد کی طرف بھی تیری نگاہ فتاں پھری نہیں ہے
تو کیا سبب ہے ہنوز انکی بنائے تقویٰ گری نہیں ہے

اگرچہ عاشق تو بنکا ہوں نہیں نظر خدا سے پھری نہیں ہے
جو آنکھ رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عاشقی کافری نہیں ہے

جمال دلکش کا محو ہونا نہیں ہے ہرگز خلاف طاعت
خدا کی قدرت کی قدر کرنا ثواب ہے کافری نہیں ہے

بس اک اشارہ میں لیگئی تو دلوں سے ایمان و صبر و تقوے
بتا تو اے چشم مست کافر یہ کیا ہے گر ساحری نہیں ہے

ہماری دولت ایماں بُت کافر نے لوٹی ہے
اُمید عیش پر خوش تھے مگر اب وہ بھی ٹوٹی ہے

مری تقریر طبع یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پر گذرتی ہے

ٹھہرتا ہی نہو جو دل وہ ہے انمول دنیا میں
یہ کیا پوچھا کہ تیرے دل کی کیا قیمت ٹھہرتی ہے

سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہے فطرت
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

یقین قوت تدبیر بُت پرستی ہے
غرور رفعت دنیا نظر کی پستی ہے

حدیث زلف و کمر معرفت کی غزلو نمیں
خدا کے عشق میں بھی لطف بُت پرستی ہے

مسلمانوں کو لطف عیش ہی جینے نہیں دیتے
خدا دیتا ہے کھانا شیخ جی پینے نہیں دیتے

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
وہ تھیٹر میں تھرکتے ہی رہے

دف بجایا ہی کئے مضموں نگار
وہ کمیٹی میں مٹکتے ہی رہے

سرکشوں نے طاعت حق چھوڑ دی
اہل سجدہ سر پٹکتے ہی رہے

گائیں بنرو پا گئیں کر کے کلیل
اونٹ کانٹوں پر لپکتے ہی رہے

جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
مگر ان کو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھ کو مرنے سے

نشان اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ
بجا ہے ہمت مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے

سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھ چشم عبرت کو
اثر دکھلائیگا یہ نقش ہستی آہ بھرنے سے

سرائے دہر کو جس نے محل خوف سمجھا ہے
اسے کیا لطف آئیگا یہاں دو دن ٹھہرنے سے

خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہل غفلت نے
تعجب اسمیں کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
یہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بیچین کرنے سے

نہ رہنے دیگا مجھ کو جوش دل اب دست کش ہرگز
قیامت ہو گیا ہے آپ کا سینہ ابھرنے سے

جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں
مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

سیکڑوں دور جنوں ہیں ابھی آنے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا
رو ہی کے اٹھتے ہیں اس بزم میں گانے والے

حد ادراک میں داخل نہوا سر ازل
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے

موج معنی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے

آپ اندھیرے میں ہیں بجلی سے مدد لیتے ہیں
چاند سورج ہیں ہمیں راہ دکھانے والے

بار احساں جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہ جفا
کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے

آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے
سلطنت کر گئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

قدم شوق بڑھے اُنکی طرف کیا اکبر
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے
دل ہمارا لیکے وہ چلتے ہوئے

کیوں نہو تادیب کالج بے ثمر
کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

سب میں وحشت ہے زمانہ کے بدل جانے سے
دل اب اپنے سے نہ ملتا ہے نہ بیگانے سے

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکر خدا
بے ادب ہو گئی مجلس ترے اُٹھ جانے سے

جب ہمیں وہ نہ رہے پھر یہ بدلنا کیسا
یہ کھومٹ سے گئے دنیا کے بدلجانے سے

نقص تعلیم سے اب اسکی سمجھ ہی نہ رہی
دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدلجانے سے

حکم اکبر کو ہوا ہے کہ کرو ترک سخن
خواجہ حافظ بھی نکالے گئے میخانے سے

دم لبوں پر تھا دل زار کے گھبرانے سے
آگئی جان میں جان آپ کے آجانے سے

تیرا کوچہ نہ چھٹے گا ترے دیوانے سے
اس کو کعبہ سے نہ مطلب ہے نہ بتخانے سے

بچتا ہوں کوئے حسیناں کی ہوا کھانے سے
فائدہ کیا ہے دبی آگ کے بھڑکانے سے

رقص کرتی ہے صبا گرم نوا ہے بلبل
کشتہ اس ناچ کا ہوں مست ہوں اس گانے سے

جو کہا میں نے کہ دیکھ مرے رونیکا خیال،
ہنس کے بولے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے

جاں بلب دیکھ کے سینے سے لگایا اُسنے
گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے

خیر چپ رہیئے مزا ہی نہ ملا بوسے کا
میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجھلانے سے

خوش کرے کیا نہ مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
رنج ہوتا ہی بہت پھولوں کے کمھلانے سے

اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے
شکر اللہ کا ہے بچ گئی دیوانے سے

شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اسکی
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے

مضطرب عشق بتاں میں ہوں عبث میں اتنا
رام ہو جائیں گے کیا وہ مرے گھبرانے سے

میہماں چرخ ستمگر کا کیا قسمت نے
کوئی چارہ نہیں اب خون جگر کھانے سے

خوان الوان جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقیں
حفظ ایماں ہے فقط خون جگر کھانے سے

میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
کار دنیا نہ رکے گا ترے مر جانے سے

رونق عشق بڑھا دیتی ہے بیتابی دل
حسن کی شان فزوں ہوتی ہی شرمانے سے

دل صد چاک کے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ
بل نکل جائینگے اس زلف کے اس شانے سے

کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
ایک ابھرا ہی یہاں ایک کے مٹ جانے سے

صفحۂ دہر پہ ہیں نقش مخالف اکبر
ایک ابھرتا ہی یہاں ایک کے مٹ جانے سے

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس ہی انھیں کے ہزاروں گلے ہوئے

آنکھیں وہ کھا رہی ہیں کہ ہے دلمیں بیٹری[1]
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے

خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے

کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجھلا کے شب وصل
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے

پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

حیران ہوں کس طرح کروں عرض تمنّا
دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

گرمی محبّت میں وہ ہیں آہ کے مانع
پنکھا نفس سرد کا جھلنے نہیں دیتے

---

[1] لغت انگریزی بجلی پیدا کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں ۱۲

دورِ دوم

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارا نہیں ہوتا
آنکھ اُن سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

میں نزع میں ہوں آئیں تو احسان ہے اُن کا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نہاں ہے شکل بوئے گل جو رنگ اس روئے زیبا کا
مری چشمِ تماشا چشمہ ہے خونِ تمنا کا

سیہ بختی کی پڑتے ہیں جو ہم پر پیچ غربت میں
تو یاد آتا ہے بل کھانا کسی زلفِ چلیپا کا

ہوا ہے امتحانِ ضبط پر مائل بتِ کافر
خدا حافظ دلِ بے صبر و جانِ ناشکیبا کا

بڑھا کر آرزو اتنا گھٹایا عشق نے مجھ کو
کہ کانٹا رہ گیا میں اپنے گلزارِ تمنا کا

نہ ہو چشمِ تمنا کس طرح محوِ رخِ روشن
رُخِ روشن تمھارا نور ہے چشمِ تمنا کا

مری آنکھوں سے ہے کیفیتِ مستیِ دل پیدا
لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہے رازِ مینا کا

کمالِ یاس حاصل ہو گیا آخر مجھے اکبرؔ
بہت روزوں سے دل کو شغل تھا مشقِ تمنا کا

غمِ فراق کا صدمہ اُٹھا نہیں سکتا
اب اپنی جان میں اے جاں بچا نہیں سکتا

کسی کو رنگِ محبت دکھا نہیں سکتا
جو دل میں ہے وہ زباں پر میں لا نہیں سکتا

حیائے حسن اُنھیں ہے حجابِ عشق مجھے
غرض وہ آ نہیں سکتے میں جا نہیں سکتا

یہ کہہ کے اُٹھ گئے ہنگام نزع مجھ سے رفیق　　یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا
لگا لے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم　　ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا
تمھیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام　　میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا
نظر لگائے ہیں دلبر ہر اک طرف سے حسیں　　کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبر
میں راز عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمار محبت کو ابھی کیا دیکھا　　جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا
طفل دل کو مرے کیا جانے لگی کس کی نظر　　میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا
لے گیا تھا طرف گور غریباں دل زار　ق　کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا
وہ جو تھے رونق آبادی گلزار جہاں　　سر سے پا تک اُنھیں خاک رہ صحرا دیکھا
کل تلک محفل عشرت میں جو تھے صدر نشیں　　قبر میں آج اُنھیں بیکس و تنہا دیکھا
بسکہ نیرنگی عالم پہ اُسے حیرت تھی　　آئینہ خاک سکندر کو سراپا دیکھا
سر جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت　　یا اس کو معتکف تربت دارا دیکھا

وصل جاناں کی دل زار کو حسرت ہی رہی　　پر میسر نہ ہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی　　تھا یہ قسمت کا لکھا
تم نے جو بات کہی میں نے دل و جاں سے وہ کی　　نہ کیا عذر کبھی
تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی　　پھل یہ خدمت کا ملا
چشمۂ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں　　ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں
آتش غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی　　نہ ہوا فرق ذرا
کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر　　نہیں اوروں پہ نظر
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی　　صاف مجھ سے نہ ہوا

ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کئے مجھ پہ ستم　　مل کے غیروں سے بہم
ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی　　کبھی شکوہ نہ کیا

دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جا کر　　کہ وہ بگڑیں مجھ پر
حال پر میرے مگر انکی عنایت ہی رہی　　کچھ کسی سے نہ ہوا

ہے تمھاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا　　رحم دل میں نہ مزا
منتیں کرتی رہے ہم تمھیں وحشت ہی رہی　　پاس بیٹھے نہ ذرا

منزلِ گور میں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے　　اپنے بیگانے جو تھے
ساتھ دینے کو فقط اسکی عنایت ہی رہی　　اور کوئی نہ رہا

ہم نشیں اُٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبرؔ　　تم بھی بس باندھو کمر
نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی　　کیا ہے جینے کا مزا

مائل دل وحشی ہے کسی زلفِ دوتا کا　　سودا مرے دیوانے کو ہے دام بلا کا
انکار وصال اُنکے لبوں پر یہ نہیں ہے　　پیغام میں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

یار نے کچھ خبر نہ لی دل نے جگر نے کیا کیا　　نالۂ شب سے کیا ہوا آہِ سحر نے کیا کیا
دونوں کو پا کے بیخبر کر گئے کام حسن و عشق　　دل نے ہمارے کیا کیا انکی نظر نے کیا کیا
صاحبِ تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکے　　جاہ و حشم سے کیا ہوا کثرت زر نے کیا کیا
کھل گیا سب پہ حال دل ہنستے ہیں دوست برملا　　ضبط کیا نہ راز عشق دیدۂ تر نے کیا کیا

اکبرِ خستہ دل کا حال قابلِ رحم ہو گیا
اس سے سلوک کیا کہوں تیری نظر نے کیا کیا

ہجوم غم سے ان روزوں ہے دل زیر و زبر اپنا　　بحق احمد مرسل الٰہی فضل کر اپنا
نصیحت واعظوں کی اب کریگی کیا اثر اپنا　　زمانہ ہو چکا ہے یونہیں رندی میں بسر اپنا
نہ روؤں کس طرح غربت میں میں دل کھو کر اپنا　　حجاب اب ہے یہاں کس کا نہ شہر اپنا نہ گھر اپنا

رہ رسم محبت ان حسینوں سے میں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہے ضرر اپنا

رہی آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
قرار اب تھا بنا لیتے کسی کے دل میں گھر اپنا

محل غیرت کا ہے جوہر یہ تو تلوار قاتل کے
نہ مجھے اس معرکے میں منہ نہ دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل گئی اپنی پرائے طعنے دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے ادھر انکا ادھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک قہر ڈھاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہے ادھر انکا ادھر اپنا

گلستان مضامیں بسکہ ہے مد نظر اپنا
گل تر سے لطافت میں فزوں ہے شعر تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے کوچہ میں جب سے گذر اپنا
نگاہ شوق سے میں خود ہوں منظور نظر اپنا

اٹھاتا تھا ہزاروں سختیاں دل میں اسی رکھ کر
مرے سنگ لحد پر آرزو پٹکے گی سر اپنا

عروج ہستی فانی پہ کیا سرگرم عشرت ہیں
فروغ چند ساعت ہے یہاں مثل شرر اپنا

جگر ٹوٹے آمد آمد ہے نوید وصل جاناں کی
اٹھا لے سینہ سے بستر تو اے درد جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصۂ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصر عالی میں
مآل کار بھی کچھ سوچ لے اے بیخبر اپنا

امانت عشق کی بعد اپنے کیا جانے ملے کسکو
نہیں معلوم جائے کس کے سر پر درد سر اپنا

غرض کیا انکو ہے پابوس انکی پائوں دھوتی ہے
لیے پھرتا ہے کیوں مہر فلک یہ طشت زر اپنا

نگاہ شوق پرست موس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے ادھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں شمل رکھتی ہی نہیں انکی کمر اپنا

نہایت جلد آکر باعث تسکین خاطر ہو
سراپا منتظر سمجھے نہ مجھے ان کی خبر اپنا

نہیں باقی نہیں باقی رسائی گوش جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو مملو جو ہو عالی مضامیں سے
کر اب دوسرے کوچے میں اے اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحر ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس دم میں موج فنا نے ہم سفر اپنا

بسر تیرہ دردوں میں ہو کیونکر اہل بینش کی
اندھیرے میں نہیں کچھ کام کر سکتی نظر اپنا

پہونچ جاؤنگا سجدوں سے مقام قرب باری میں
قدم کے بدلے میں اس راہ میں رکھونگا سر اپنا

خط موہوم کو ہے نقطۂ فرضی سے اک نسبت
تمھیں اپنے دہن سے کچھ کرو وصف کمر اپنا

تصور بھی کبھی مرقد کا آتا تھا نہ دنیا میں
یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا

رہ توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیر کا مجھ کو
خودی کا خوف ہے لیکن رہا کرتا ہے ڈر اپنا

نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بند ھ نہیں سکتا
بچا جاتا ہے پہلو مجھ سے مضموں کمر اپنا

ہماری سرخی داغ جگر سے زرد رو ہونگے
جمائیں گے وہاں کیا رنگ الفت اہل زر اپنا

تردد کچھ نہیں ایذا دہندوں کو رسائی میں
تمنا بے تکلف دل میں کر لیتی ہے گھر اپنا

نسیم عیش ہو یا صرصر غم ہم نہیں ہٹتے
جما ہے پائے استقلال یہاں مثل شجر اپنا

جو پیش چشم معنی جلوۂ حسن بشر آیا
تماشہ پرتو انوار خالق کا نظر آیا

رہا دم بھر فروغ اس کو کبھی جو اوج پر آیا
مرے حصے میں شاید اختر بخت شرر آیا

تصور جلوۂ توحید کا ہے مثل آئینہ
کیا شوق تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا

تصور انکے عارض کا زبس رنگین و نازک تھا
پری بنکر ہمارے شیشۂ دل میں اتر آیا

ملا ہے ہم کو یہ مضمون روشن چشم بینا سے
کہ چھوڑی جسنے خود بینی اُسے سب کچھ نظر آیا

گیا تھا ہو کے رخصت صورت تسکین دل مجھ سے
برنگ ہوش واں سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا

حسینوں کو ترے ہوتے ہوئے ای بت میں کیا دیکھوں
مجھے تو حسن تیرا خود تماشائی نظر آیا

ہوا ہے باعث ایجاد عالم حسن یہ کس کا
یہ کس کے دیکھنے کو مجمع اہل نظر آیا

جگہ بھی بیٹھنے کی اب مجھے ملتی نہیں صاحب
وہی اچھا رہا اس بزم میں جو بیشتر آیا

سوا افسانۂ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے
یہ غصہ آپ کو فرمائیے کس بات پر آیا

ہوے سرسبز لاکھوں نخل اس گلزار ہستی میں
نہ لیکن رنگ پر اپنی تمنا کا شجر آیا

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دل کا
نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا

محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہر دم
بھرا ہی مئے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں سنے دام بلا میں
مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشق بتاں میں
خدا ہی ہو اب میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں
یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اُٹھتا تھا آغاز تھا وہ
ہوا خاک اب یہ ہی انجام دل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہی
تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھ کو صاحب
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پس مرگ اُن پر کھلا حال الفت
گئی لیکے روح اپنی پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یو نہیں پایا ہمیشہ
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اُس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبرؔ
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغ کم بضاعت رونق عالم نہیں ہوتا
مہِ نو بدر ہو کر نیّر اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول ہی شاداں دل پر غم نہیں ہوتا
دل انکا سنگ ہی پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفت مژگان خوباں سے
یہ ذوق نشتر دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقام بیخودی میں آرزو کیا عرض مطلب کیا
وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہی یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دست تصور کسطرح پہونچے
وہ سینہ آشنائے دست نامحرم نہیں ہوتا

تمھارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرت واعظ
اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصال یار میں ہر وقت رُتا ہوں
فراق آستیں و دیدۂ پُر نم نہیں ہوتا

شکستہ سوختہ۔ مجروح اسیر تمنّا ہیں
دل عاشق سا دنیا میں کوئی پُر غم نہیں ہوتا

اگر دل واقف نیرنگی طبع صنم ہوتا
زمانہ کی دورنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا

یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

انھیں کی بیوفائی کا یہ ہے آٹھوں پہر صدمہ
وہی ہوتے جو قابو میں تو پھر کاہیکو غم ہوتا

لب و چشم صنم گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر
کوئی شیریں سخن ہوتا کوئی جادو رقم ہوتا

بہت اچھا ہوا آئے نہ وہ میری عیادت کو
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا

اگر قبریں نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی
مجھے بھی اشتیاق دولت و جاہ و حشم ہوتا

لیے جاتا ہے جوش شوق ہم کو راہ الفت میں
نہیں تو ضعف سے دشوار چلنا دو قدم ہوتا

نہ رہنے پائے دیواروں میں روزن شکر ہے ورنہ
تمہیں تو دل لگی ہوتی غریبوں پر ستم ہوتا

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگیں یاران وطن چھوٹا

وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کئے اور میں ہوا بسمل
نہ بیتابی گئی میری نہ اُن کا بانکپن چھوٹا

روشن دل عارف سے فزوں ہے بدن انکا
رنگیں ہے طبیعت کی طرح پیرہن انکا

محروم ہی رہ جاتی ہے آغوش تمنا
شرم آکے چرا لیتی ہے سارا بدن انکا

جن لوگوں نے دل میں ترے گھر اپنا کیا ہے
باہر ہے دو عالم سے مری جان وطن انکا

ہر بات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے
الفت نہ نبھے گی جو یہی ہے چلن انکا

عارض سے غرض ہم کو عنادل کو ہے گل سے
ہے کوچۂ معشوق ہمارا یہ چمن انکا

ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوش جوانی
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مستانہ پن انکا

یہ شرم کے معنی ہیں حیا کہتے ہیں اسکو
آغوش تصور میں نہ آیا بدن انکا

غیروں ہی پہ چلتا ہے جواب ناز کا خنجر
کیوں تیغ میں لایا تھا نہ مجھے بانکپن انکا

غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا
وہ اُس کو نہ سمجھیں تو یہ ہے حسن ظن انکا

اس زلف و رخ و لب پہ انھیں کیوں نہ ہو نخوت
تاتار ہے انکا حلب اُن کا یمن انکا

اللہ رے فریب نظر چشم فسوں ساز
بندہ ہے ہر اک شیخ ہر اک برہمن انکا

آیا جو نظر حسن خدا داد کا جلوہ
بُت بن گیا منہ دیکھ کے ہر برہمن انکا

مرقد میں اُتارا ہمیں تیوری کو چڑھا کر
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بانکپن انکا

گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس ایمان من اُن کا

دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات انکی ادا ان کی قد اُن کا چلن اُن کا

پوشیدہ آنکھ میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیال یار مرا میہماں رہا

فریاد کس کی تھی پس دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا

بیجا مرے سفر پہ ہیں یہ بد گمانیاں
ہمیش نظر تمھیں تو رہے میں جہاں رہا

مصحف رخسار یوسف میں ہو جب تفسیر خواب
کیا زلیخا کو عزیز مصر دے تعبیر خواب

اگلی باتیں سُنکے عبرت کے عوض غفلت نکر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیر خواب

کوچۂ جاناں سے اُٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
ہے طلسم تازہ بیڑی کے عوض زنجیر خواب

خواب تھیں بیداریاں اس ہستی موہوم کی
گور میں خواب فنا سے مل گئی تعبیر خواب

برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھ کو خواب میں
قرب اُن سے ہوگا الٹی ہے اگر تعبیر خواب

وصل میں شوق تماشا ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیر خواب

قتل کرتا ہے ترا بے ساختہ سونا مجھے
اس ادا ئے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیر خواب

اس زمیں میں اور بھی پڑھیئے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیر خواب

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیر خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویر خواب

عالم ایجاد بھی اک عالم موہوم سا ہے
جتنی تعمیریں ہیں یاں کی ہیں یہ سب تعمیر خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دیئے
حشر کے دن ہونگے یارب ہم گریباں گیر خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیض عالمگیر خواب

حضرت یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھ کو مل گئی تعبیر خواب

خواب میں شاید کہی ہے تمنے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریر خواب

نظر آتی نہیں جب انہیں اثر کی صورت
فائدہ کیا جو ہوئے اشک گہر کی صورت

خانۂ دل کو کیا عشق بتاں نے برباد
کیا سے کیا ہوگئی اللہ کے گھر کی صورت

حُسن کیواسطے لازم ہی تلون شاید
دیکھئے روز بدلتی ہے قمر کی صورت

ہمنے مخلوق میں خالق کی تجلی پائی
دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گر کی صورت

دل رنگیں بھی عجب دل ہی مگر قہر ہی یہ
خون ہو جاتا ہے مصروف تمنا ہو کر

مرض عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہ ہو
کام ہی کیا ہی کروں گا جسے اچھا ہو کر

عالم اُسکے رُخ زیبا کا بیاں ہو کس سے
حُسن حیرت میں ہے خود محو تماشا ہو کر

بتوں کی مجھ کو یہ ترچھی نظر نہیں منظور
خرابی دل و جان و جگر نہیں منظور

وہ ٹالتے ہیں عبث آجکل پہ وعدہ وصل
جواب صاف نہ دیدیں اگر نہیں منظور

یہاں کے آنے میں تکلیف ہوگی انکو کمال
اسی سے جذبۂ دل کا اثر نہیں منظور

وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتی ہیں
تو خیر مجھ کو بھی اب انسے شر نہیں منظور

مرض ہزار بلا خیز ہو پسند ہے وہ
دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور

ہزار بے اثری ہو رہیگا ضبط مجھے
فغاں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور

نہ ہو عروج نہ ہو بیفروغ ہوں تو رہیں
یہ سرکشی تو بسان شرر نہیں منظور

قبول سایۂ دیوار یار میں رہنا
ہما کا سایہ مگر فرق پہ نہیں منظور

ہزار نوک سناں سینہ پر گوارا ہی
مگر یہ کاوش تیر نظر نہیں منظور

اداس ہوتے ہو کیوں بیٹھو پھر چلے جانا
تمھارا روکنا پھر رات بھر نہیں منظور

جو گھر سے نکلا تو ظالم مرے دکھانیکو
اُدھر چلا ہی کہ جانا جدھر نہیں منظور

عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آکر
وہیں رہونگا اب آنا ادھر نہیں منظور

ازل میں خالق برحق سے روح کا تھا یہ قول
بغیر عشق لباس بشر نہیں منظور

وہ دل پسند نہیں جسمیں جائے درد نہ ہو
ہوائے غم نہو جسمیں وہ سر نہیں منظور

محل امن یہی ہے کہ سب بھلائے ہیں
کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیال وصل بتاں چھوڑ دو بس اے اکبر
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۶۰ء

آگیا وقت اجل اے شوق دنیا الوداع
الوداع اے حسرت دل اے تمنا الوداع

الوداع اے ساقی مے خانۂ طول اَمل
اے سرور بادۂ اُمید فردا الوداع

اے خم محراب ایوان خوش آئین السلام
اے شکوہ رفعت قصر معلّےٰ الوداع

الوداع اے مسند و فرش و قبا و پیرہن
اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع

الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے فرط شوق
رخصت اے جوش جنوں اے سیر صحرا الوداع

الوداع اے جلوۂ نیرنگی حسن بتاں
اے خیال عارض و زلفِ چلیپا الوداع

الوداع اے عالم نیرنگی باغ جہاں
اے نگاہ دیدۂ محو تماشا الوداع

عازم ملک عدم ہے اکبر خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزم احبّا الوداع

ہوا پھر قیدیِ زلف دوتا دل
بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل

نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے
ادھر اتنے ادھر تنہا مرا دل

نہ چھوڑا آتش الفت نے پیچھا
جگر جلنے لگا جب جل چکا دل

لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی
انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل

یہ وقت نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو
نہ توڑو عاشق رنجور کا دل

بڑے صدمے اُٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہر خدا دل

عہد طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاری دل
ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہے یہ بیماری دل

سنئے انجام مبارک رہیں نوخیزوں کو
میں ہوں اور آرزوئے مرگ و وفاداری دل

زلف اسلام میں الجھے ہوئے مدت گذری
اب کہاں چھوڑتی ہے مجھ کو وفاداری دل

میں تو شیدائے رسول عربی ہوں اکبر
بخدا ہے بس انہیں کے لئے سرداری دل

حاصل عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کیلئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

وجہ کیا تم سے کہوں اسکی طبیعت ہی تو ہے
دلکو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا ساماں
قبر میں بعد فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ تو خلوت ہی میسر ہے نہ کچھ لطف کی بات
کیوں بلایا ہے مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبحدم وہ اثر جلسۂ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پہروں روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالت جگر دیکھیں
تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں

کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کروں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں

یہ کہہ کے روح نے دل کو کیا سپرد انکے
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں

تڑپ کے جان ابھی دوں کہ ہوں خجل اغیار
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں

کبھی تو بوسۂ سیب ذقن عنایت ہو
نہال عیش کو اک دن تو بارور دیکھیں

زہاد خشک حسن بتاں سے ہیں بے نصیب
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

میں جنکے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
اُن کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

تاثیر انتظار نے یہ حال کر دیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں

بے خوف دل کو کرتے ہو پامال اے بتو،
یہ شوخیاں خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں

ڈرتے تو ڈالنے دو ذرا چشم شوق کو
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط بھی کرے
اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں

میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اُنپہ جاں
ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

ہے انقلاب حسن کے عالم میں کسقدر
دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حسن بتاں پہ آنکھ
عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

رقیب تیرو باطن کو جگہ دے رکھی ہے دلمیں
نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اس ماہ کامل میں

نہ پوچھو وسعت اندیشۂ عشاق قامت کو
یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے انکے گوشۂ دل میں

بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو پیدا ہوں
بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلیٰ کا محمل میں

زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری
نگاہوں کو نہیں یارا کہ اُٹھیں تیری محفل میں

بہت آسان ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی
بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جاں سے محو رُخ جاناں ہیں تو ہم ہیں
اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں

گلگشت کریں پھول جنہیں ان کو ہے کیا غم
آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں

بھڑکی ہوئی ہے آتش گل اپنے ہی دم سے
سوز جگر بلبل نالاں ہیں تو ہم ہیں

شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں
مقصود دل گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں

اے برق تڑپنے میں ہمیں ہیں تری ساتھی
اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں

دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت
بس ایک غم ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصّہ میں شب وصل ایدل
گردش چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں

بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تمنے تو وہ
جس کے مطلب نہیں معنی نہیں مفہوم نہیں

کمر یار ہے باریکی سے غائب ہر چند
مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں

ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب
موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ ان سے
ہنس کے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

دم نکلتا ہے ہمارا خبر ان کو نہیں کچھ
جان جاتی ہے ہماری انھیں معلوم نہیں

جب کہا میں نے مرے حصہ میں آؤ گے کبھی
ہنس کے فرمایا کہ ایسے ترے مقسوم نہیں

خوب کرتا ہوں رقیبوں کی برائی اُن سے
مذہب عشق میں غیبت کہیں مذموم نہیں

حرم کیا دیر کیا دونوں یہ ویراں ہوتے جاتے ہیں
تمھارے معتقد گبر و مسلماں ہوتے جاتے ہیں

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھ کو دفن کر کے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سوا طفلی سے بھی ہیں بھولی باتیں اب جوانی میں
قیامت ہے کہ دن پر دن وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

کہاں سے لاؤں گا خون جگر ان کے کھلانے کو
ہزاروں طرح کے غم دل کے مہماں ہوتے جاتے ہیں

خرابی خانہائے عیش کی ہے دور گردوں میں
جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ویراں ہوتے جاتے ہیں

بیاں میں کیا کروں دل کھول کر شوق شہادت کو
ابھی سے آپ تو شمشیر عریاں ہوتے جاتے ہیں

غضب کی یاد ہیں عیاریاں واللہ تم کو بھی
غرض قائل تمھارے ہم تو اے جاں ہوتے جاتے ہیں

ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
ادھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

غم ہے اتنا کہ دل زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں

کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

جفائیں جھیل کر تاثیر الفت کی دکھاتے ہیں
حنا کی طرح پس لیتے ہیں تب ہم رنگ لاتے ہیں

فدا سو جان سے ہوتا ہوں پروانوں کی ہمت پر
جلے جاتے ہیں لیکن شمع سے لپٹے ہی جاتے ہیں

کھلایا غم پلایا خون دل مہماں نوازی کی
ترے احسان مند اے چرخ ہم دنیا سے جاتے ہیں

خودی و بیخودی دونوں ہیں عکس صورت جاناں
اُسی کو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں جاتے ہیں

سحر کو مدرسہ جاتا ہوں تو فرماتے ہیں اندر سے
ابھی سو کر اٹھے ہیں ہاتھ منہ دھوتے ہیں آتے ہیں

یہ چرخ نے برہم کیا جس کو وہ صحبت خوب تھی
مٹ گئی جو قسمت بد سے وہ سنگت خوب تھی

صحبت باہم میں تو اب روز رہتا ہے فساد
ہم سے لڑنے دور کی صاحب سلامت خوب تھی

مار ڈالا رنج تنہائی نے غربت میں ہمیں
اب خیال آیا کہ یاروں ہی کی صحبت خوب تھی

جان دی شیریں نے اسپر اُسپہ لیلی مرگئی
عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

غم نہیں اسکا جو شہرت ہوگئی
ہوگئی اب تو محبت ہوگئی

اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز
مل گئے صاحب سلامت ہوگئی

ہاے کیا دلکش ہی اسکی چشم مست
آنکھ ملتے ہی محبت ہوگئی

چودھواں سال انکو ہے نام خدا
عمر آفت تھی قیامت ہوگئی

ناز سے اسنے جو دیکھا شیخ کو
انکی دینداری ہی رخصت ہوگئی

خدا کا گھر بنانا ہی تو نقشہ لے کسی دل کا
یہ دیواروں کی کیا تجویز ہی زاہد یہ چھپت کیسی

یہ کار عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبر
یہ بحثیں اسمیں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

انھیں سے ہوئی مجھ کو الفت کچھ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی

یہاں دل دکھا بس نکل آئے آنسو
بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی

حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھ کو
نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی

گرے میری نظروں سے خوبان عالم
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

میں رونے لگا حال دل کہتے کہتے
یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی

یہ غیروں نے اب ان کو برہم کیا ہی
نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہ ہو عشق خوباں میں اکبر
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

سنہ ۱۸۷۰ء

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی
نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی

نہ دل آتا ہی قابو میں نہ نیند آتی ہی آنکھوں میں
شب فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی

یہاں بیداریوں سے خون دل آنکھوں میں آتا ہی
گلابی کرتی ہی آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

بہت بے چین ہوں نیند آرہی ہے رات جاتی ہے
خدا کیواسطے جلد اب کرو تدبیر سونے کی

یہ زر وہ چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعث شوکت
سنی ہے عالم بالا میں بھی تعمیر سونے کی

ضرورت کیا ہے رُکنے کی مرے دل سے نکلتا رہ
ہوس مجھ کو نہیں اے نالۂ شبگیر سونے کی

چھپیں گھڑیاں جو سونیکی بتائی اُس سے کیا حاصل
کرو اے غافلو کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

نظر لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی
پہلے اک بات جو تھی پیار کی اب وہ نہ رہی

نااُمیدی سی ہوئی دیکھ کے غیروں کا ہجوم
آرزو تیرے طلب گار کی اب وہ نہ رہی

وہ لگاوٹ بھی فقط دل کے لبھانے کیلئے
مہربانی بت عیار کی اب وہ نہ رہی

یہ درد دل بھی نہ تھا سوزش جگر بھی نہ تھی
ان آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی

زمانہ سازی ہے اب یہ کہ منتظر تھا میں
ہمارے آنے کی تم کو تو کچھ خبر بھی نہ تھی

فلک نے کیوں شب فرقت مجھے ہلاک کیا
جمال یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی

تمہارے دل کی نزاکت پہ اس کو رحم آیا
نہیں تو آہ مری ایسی بے اثر بھی نہ تھی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم حُسن بتاں
دہن کو سمجھے تھے معدوم واں کمر بھی نہ تھی

جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں جھوٹا
مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی

گذر یہ ہو گیا کیونکر دل پریشاں کا
جگہ تو کوچۂ گیسو میں بال بھر بھی نہ تھی

لپٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا
وہ سنگدل بھی نہ تھے آہ بے اثر بھی نہ تھی

نگاہ قہر سے دیکھا یہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی

شہید جلوۂ مستانہ ہو گیا شب وصل
خوشی نصیب میں عاشق کے رات بھر بھی نہ تھی

تیری نظروں سے ہماری جب نظر ملتی نہ تھی
ہم کو ایسی لذّت درد جگر ملتی نہ تھی

ہر گلی کوچہ میں چرچا میری بیماری کا تھا
کیا کسی سے آپ کو میری خبر ملتی نہ تھی

وہ بھی کیا دن تھے تری شرم و حیا کا اے پری
آئینہ میں چشم جوہر سے نظر ملتی نہ تھی

میں اپنی آہ کئے جاؤں واں اثر نہ سہی
مجھے تو بیخبری ہے اُنھیں خبر نہ سہی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر وہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کیواسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترے ادیل
بس ایک اُن کی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک ان کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۷۱ء

نہ خود رہے ہے نہ حکومت رہی سلیماں کی،
کہانی ہوگئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دلکی بسر
خدا دراز کرے عمر زلف پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

لجاتی ہے لب نازک پہ اُنکے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سُرخی پاں کی

نگاہ ناز بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین و ایماں کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑونگا
حضور وضع کو سیدھی بنائیں یا بانکی

طریق عشق میں ہے بیخودی کو منصب خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی

فریب میں بتِ کافر کے آگیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دین و ایماں کی

عجیب ہے مجھ کو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بار احساں کی

غذائے خون جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوان الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

نہیں ہے سیب کی خواہش پے علاج دماغ
یہ آرزو ہے کہ بُو سونگھئے زنخداں کی

عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروا نہ قدر ہے جاں کی

کوئی ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے
کسی کی روح نشانہ ہے تیر مژگاں کی

نہیں ہے ظلمت اعمال کا کچھ اندیشہ
کہ روشنی ہے مرے دل میں نور ایماں کی

وہ پونچھیں آنسو مرے آکے اپنے دامن سے
ہے قسمت ایسی کہاں میری چشم گریاں کی

وہ چشم ہوں کہ جو ہے محو جلوۂ توحید
وہ دل ہوں جسمیں تجلی ہے نور عرفاں کی

وہ حال ہوں کہ بیاں جسکا دل دکھاتا ہے
وہ شکل ہوں کہ نشانی نہ ہے درد نہاں کی

وہ ذرہ ہوں کہ بیاباں ہے گرد جسکے حضور
وہ قطرہ ہوں کہ حقیقت نہ سمجھے طوفاں کی

وہ درد ہوں جو پیام اجل ہے دل کیلئے
طپش وہ ہوں کہ جو بجلی ہے خرمن جاں کی

سکوت کیوں نہ ہو مہر لب سخن اکبر
زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخنداں کی

ہوگیا بدر ہلال اس کا سبب روشن ہے
روز گھستا تھا ترے در پہ جبیں تھوڑی سی

منزل گور میں کیا خاک ملے گا آرام
خو تڑپنے کی رہی اور زمیں تھوڑی سی

آپ کو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال
خیر تکلیف اُٹھالیں گے ہمیں تھوڑی سی

طلسم کالبد میں ہے مقید روح انساں کی
نہیں اربع عناصر چار دیواری ہے زنداں کی

اُسے سودائے گیسو ہوگیا جسنے مجھے دیکھا
پریشانی مری تصویر ہے زلف پریشاں کی

نہیں کچھ رنج اس ظلمت کدہ میں بے فروغی کا
تجلی پیش چشم اپنے ہے شمع نور ایماں کی

صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوچۂ جاناں کی

وہ تھا اک وقت جب سیر چمن میں پھول چنتے تھے
زمانہ ایک یہ ہے خاک اڑاتے ہیں بیاباں کی

پھر آئی فصل گل پھر جوش سودا ہوگیا مجھ کو
اڑائی دھجیاں جوش جنوں نے پھر گریباں کی

وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں آنے نہ دیتا تھا
وہی میں ہیں کہ پھر منتیں کرتا ہوں درباں کی

تمام حسرتیں پیری میں ہوگئیں رخصت
بس ایک رہ گئی مرنیکی آرزو باقی

جو ذبح کرتا ہے پر کھولدے مرے صیاد
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی

ہمارے شہر پہ یارب یہ کیا پڑی آفت
نہ خوبرو ہے باقی نہ خوش گلو باقی

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیر حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

دنیا میں کون خانۂ دل کی کریگا قدر
آبادی اسکی ایسے خرابے میں ہو چکی

بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہ یار
دونوں جہان سے بھی تو یہ مجھ کو کھو چکی

اب جان ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے
ایمان و دل تو پہلے ہی الفت میں کھو چکی

تھک تھک گئی زبان دم شرح درد دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوست کو چکی

اکبر عروس دہر سے چشم وفا نہ رکھ
دارا و جم کی جب نہوئی تیری ہو چکی

خفا ہو بے سبب مجھ سے کہو میری خطا کیا ہی
چھوا بھی زلف مشکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہی

قیامت ہی طبیعت آگئی اُس آفت جاں پر
جسے اتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہی

اُنھیں بھی جوش الفت ہو تو لطف اٹھے محبت کا
ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اسمیں مزا کیا ہی

مصیبت عین راحت ہے اگر ہو عاشق صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہی

کوئی دن کا ہوں مہماں آچکی ہی جان ہونٹوں پر
وہی خود دیکھ لیں آکر کہ اب مجھ میں رہا کیا ہی

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاج درد دل اپنا
مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہی

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں روکو طبیعت کو
یہ رونا یہ تڑپنا خیر ہے تم کو ہوا کیا ہی

آج آرایش گیسوئے دوتا ہوتی ہی
پھر مری جاں گرفتار بلا ہوتی ہی

شوق پابوسی جاناں مجھے باقی ہی ہنوز
گھاس جو اُگتی ہی تربت پہ حنا ہوتی ہی

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہی کہ محبت بھی بلا ہوتی ہی

جوز میں کوچۂ قاتل میں نکلتی ہی نئی
وقف وہ بہر مزار شہدا ہوتی ہی

جسنے دیکھی ہو وہ چتون کوئی اُس سے پوچھے
جان کیونکر ہدف تیر قضا ہوتی ہی

نزع کا وقت بُرا وقت ہے خالق کی پناہ
ہی وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہی

روح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دلسے جدا ہوتی ہے

خود سمجھتا ہوں کہ رونیسے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یونہیں تسکین ذرا ہوتی ہے

روندتے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کے ساتھ
خوب توقیر مزار شہدا ہوتی ہے

مرغ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

جسم تو خاک میں ملجاتے ہوئے دیکھتے ہیں
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

ہوں فریب ستم یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اثر دکھانے پہ یہ جذب دل جو آتا ہے
کنوئیں سے حضرت یوسف کو کھینچ لاتا ہے

فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے

کبھی جو دعوے منصور میں شک آتا ہے
خیال یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے

وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دلکو
وہ حال ہوں کہ جسے سنکے وجد آتا ہے

جو بیخودی میں مجھے چھوڑ کر وہ جاتے ہیں
تو میرے حال پہ رونیکو ہوش آتا ہے

الٰہی خیر ہو اُس بت کے ناز بیجا کی
دل عزیز کو میرے بہت ستاتا ہے

زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز
یہ آئینہ تیری صورت مجھے دکھاتا ہے

وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
دہان زخم اسی پر تو مسکراتا ہے

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمھاری یاد
کبھی تمھیں بھی ہمارا خیال آتا ہے

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
ہزار ساغر جم روز ٹوٹ جاتا ہے

خدا پناہ میں رکھے کشاکش غم سے
اسی سے تار نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے

مصائب شب فرقت اُٹھا چکا ہوں میں
عذاب گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھیے ستم جوش حسرت دیدار
یہ جان زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

دوئی کا دخل نہیں بزم وصل میں منظور
وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہل حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

مقام شکر ہے غافل مصیبت دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یاد خدا کر اے اکبر
بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھ سے پہلو میں تیرے کیا ہے
اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے

پایا عجب عالم قاتل تری گلی میں
ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے

مجھ زار ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر
سختی دل تمھاری ہم سنگ کہربا ہے

برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم
کہتے ہیں عمر جس کو معشوق بیوفا ہے

گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہے

صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاک رہ وفا ہے

رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا
جو گل ہے داغ دل ہے جو برگ ہے خفا ہے

ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوق کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے

ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دلکو میں نے
رنگ رخ تمنا گرد رہ وفا ہے

کل کی تھی بیخودی میں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے

کیا شرح آرزو پر وا ہو زبان اپنی
افسانۂ دو عالم آغاز مدعا ہے

اظہار شوق میں ہے رسوائی محبت
ہے حرف آبرو پر جو حرف مدعا ہے

اہل عدم نہ پوچھو کچھ ہم سے حال دنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے

کیونکر نہ شعر اکبر آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہے

بس گئی ہے دل میں وہ زلف دوتا کیا کیجیے / جان آفت میں ہوئی۔ ہے مبتلا کیا کیجیے

نزع میں پوچھا جو اکبر سے کہ کیوں دیتا ہے جان
آہ سرد اک بھر کے وہ کہنے لگا کیا کیجیے

اضافۂ حال

دم لبوں پر آگیا ہے اب دوا کا ذکر کیا / اک بت کافر کی الفت ہے دعا کیا کیجیے
جس کے صدمے سے بمشکل کل بچی تھی میری جان / پھر وہی درد آج سینے میں اٹھا کیا کیجیے

وہ کبھی تو بہت گھڑی اپنے مرے گھر میں مگر کبھی آ نہ سکے / وہ نسیم مراد چلے بھی تو کیا کہ جو غنچۂ دل کو کھلا نہ سکے
ترے عشق سے باز بھی آ نہ سکے ترے ظلم و ستم بھی اٹھا نہ سکے / جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قضا کسی طور سے جان بچا نہ سکے
شب و روز جو رہتے تھے پیش نظر بڑے لطف سے ہوتی تھی جن سے بسر / یہ خبر نہیں جا کے رہے وہ کدھر کہ ہم انکا نشان بھی پا نہ سکے
کبھی جنکے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی ہائے غضب / وہ جو روئے بھی آ کے مزار پر اب مجھے خواب لحد سے جگا نہ سکے
یہ مری ہی نہ آہ کا ہے سبب اثر کہ رقیبوں سے چھپتے ہو آٹھ پہر / مری حال پہ چشم کرم جو رہے کوئی آپ سے آنکھ ملا نہ سکے
کیا جذبۂ عشق نے میرے اثر رہی غیرت حسن پہ انکی نظر / پس پردہ صدا تو سنائی انہیں مجھے مگر اپنا جمال دکھا نہ سکے
رہا شہر عشق کا یاں مجھے ڈر انہیں اپنے پرائے کا خوف و خطر / رہیں دل ہی میں حسرتیں دونوں طرف جو میں جا نہ سکا تو وہ آ نہ سکے
وہی لگی تڑپ ہی درد جگر ہوا تو یہ عشق کا کچھ نہ اثر / تری شکل جو آنکھوں میں پھرتی رہی تری یاد بھی دل سے بھلا نہ سکے
تری انکی ادا ہے وہ ہوش ربا کہ ہوں خضر و مسیح بھی جس پہ فدا / وہ فریب بھرا ہے نظر میں تری کہ فرشتہ بھی دل کو بچا نہ سکے

ہے خدا کی جناب میں صبح و مسا یہی اکبر خستہ جگر کی دعا
کہ ہمارے سوا بت ہوش ربا کوئی سینے سے تجھ کو لگا نہ سکے

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے / بلا کے پیچ میں آیا ہوا ہے
نہ کیونکر بوئے خوں نامے سے آئے / اسی جلاد کا لکھا ہوا ہے
چلے دنیا سے جس کی یاد میں ہم / غضب ہے وہ ہمیں بھولا ہوا ہے
کہوں کیا حال اگلی عشرتوں کا / وہ تھا اک خواب جو بھولا ہوا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں　　کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے
ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر　　ہمیں سے آپ کا شہرا ہوا ہے
بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ　　طبیعت کو خدایا کیا ہوا ہے

پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے　　بخل نے زر کو تہ خاک دبا رکھا ہے
شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے　　دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے
بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں　　داغ افلاس کو سینے سے لگا رکھا ہے
آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند　　مجھ کو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے
جوشش فصل بہاری ہے کہ ہنگامۂ حشر　　بلبلوں نے تو غضب شور مچا رکھا ہے
دیکھئے صبح تلک بدلے وہ کیا کیا پہلو　　منتوں سے اُسے یاں آج سلا رکھا ہے
آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب　　ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسی کی قسمت میں زہر غم ہے کسی کو حاصل مئے طرب ہے　　وہی بگاڑے وہی بنائے اُسی کی قدرت کا کھیل سب ہے
نظر جو آئے وہ آفت جاں تو دل کو کیونکر بچائے انساں　　ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے
جلا چکی آتش محبت تمام میرے دل و جگر کو　　تمھیں نہیں ہے یقیں اب تک یہی تو اے میری جان غضب ہے
گذر گیا ہے جو عہد عشرت نہ کھو تو ناداں پھر اسکی حسرت　　قیام اسکا سمجھ غنیمت جو وقت پیش نگاہ اب ہے
یہ انکی جتنی لگاوٹیں ہیں یہ ظاہری سب بناوٹیں ہیں　　یہ جی لبھانے کی اک ادا ہے یہ دل کے لینے کا ایک ڈھب ہے
دلاتے ہیں نزع میں جو پیہم خدا کی یاد آ کے یار ہمدم　　بھلا میں بھولونگا اسکو کیونکر وہ میرا مالک ہے میرا رب ہے
یہاں بھی آرام پائیگا کہاں اب اس وقت بتائیے گا　　اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینھ برستا ہے وقت شب ہے

دعا ہے اکبر یہ اپنی ہر دم لحد میں نکلے زباں سے پیہم
محمد اپنا رسول برحق خدا ہے برتر ہمارا رب ہے

سنتا ہوں کہ تاثیر محبت میں بھی کچھ ہے — کیوں کر نہ کہوں انکی طبیعت میں بھی کچھ ہے
تسخیر بتاں ہوتی ہے گو نقش درم سے — تاثیر مگر دل کی محبت میں بھی کچھ ہے
بیچین ہوئے سن کے مرے شوق کا قصہ — صد شکر مزہ ان کی طبیعت میں بھی کچھ ہے
جب کہتا ہوں اُنسے کہ مرے دل میں ہے حسرت — کس ناز سے کہتے ہیں کہ حسرت میں بھی کچھ ہے
واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں — حصہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے
رندوں میں تو ہے لطف مے و ساقی و مطرب — واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے
وہ کوچۂ جاناں کے مزے ایک نہ پائے — ہم پہلے سمجھتے تھے کہ جنت میں بھی کچھ ہے
بگڑے ہوئے تیور ہی سے ثابت نہیں رنجش — ان روزوں تو فرق آنکی طبیعت میں بھی کچھ ہے
فرماتے ہیں وہ سنکے مرے رونیکا احوال — یہ بات تو داخل تری عادت میں بھی کچھ ہے
گو راز محبت کا چھپانا ہے بہت خوب — لیکن بخدا لطف تو شہرت میں بھی کچھ ہے
افسانۂ حسرت مرا سن سن کے وہ بولے — ہے سب یہ زبانی کہ طبیعت میں بھی کچھ ہے
خوش وصل سے کوئی کوئی نظارہ سے دلشاد — اے گردش گردوں مری قسمت میں بھی کچھ ہے
بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ — اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہے
تم آنے نہ دو یاد بھی کیا کرنے نہ دو گے — دخل آپ کو بندے کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

قید احساں سے تری اے فلک آزاد رہے — بےکسی کا ہو بھلا بے وطنی شاد رہے
مے گلگوں سے چھلکے مست ہوئے شاد رہے — ساقیا خانۂ احسان ترا آباد رہے
اجل آتی ہے غم ہجر میں اللہ رے نصیب — ملک الموت کو کس طرح یہ ہم یاد رہے
ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہو فنا — دونوں عالم نہ رہیں شہر دل آباد رہے
حشر برپا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک — ایسی آفت میں بھلا کون کسے یاد رہے

گوشۂ خاطر عالی میں جو پائے نہ جگہ
کہئے پھر جا کے کہاں عاشق ناشاد رہے

نزع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

گذری ہے شب وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینہ سے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
یہ وہ ویرانہ ہے روشن جسمیں شمع طور ہے

آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی
بس یہی کہئے قضا سے آدمی مجبور ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

گونج سے بالے کی زلف الجھی میں عاشق ہو گیا
یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یہ زنبور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطر احباب کو رکھو رہے

کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دل زار ہے

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا پیار ہے

یہ نوید اوروں کو جا سنا ہم اسیر دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصل بہار ہے

جسے دور چرخ میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی
شب ہجر میں ہے جو درد سر مئے وصل کا یہ خمار ہے

وہ نظر جو مجھ سے ملا گئی تو یہ اور آفتیں ڈھا گئے
کہ حواس و ہوش و خرد ہے اب نہ شکیب و صبر و قرار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھ کر ترا حال اکبر نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشق زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں نہ ہو خونفشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرز گردش چرخ ہے نہ وہ رنگ لیل و نہار ہے

جہاں کل تھا غلغلۂ طرب وہاں ہائے آہ ہے غضب
کہیں اک مکاں ہے گرا ہوا کہیں اک شکستہ مزار ہے

غم و یاس حسرت بیکسی کی ہوا کچھ ایسی ہے چل رہی
نہ دلوں میں اب وہ امنگ ہے نہ طبیعتوں میں ابھار ہے

ہوئے مجھ پہ جو ستم فلک کہوں کس سے اسکو کہاں تلک
نہ مصیبتوں کی ہے کوئی حد نہ مرے غموں کا شمار ہے

مرا سینہ داغوں سے ہے بھرا مرے دل کو دیکھئے تو ذرا
یہ شہید عشق کی ہے لحد پڑا جس پہ پھولوں کا ہار ہے

میں سمجھ گیا وہ ہیں بیوفا مگر انکی راہ میں میں فدا
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دل میں غبار ہے

اب تو ہیں نام خدا آپ کے انداز نئے
نئے غمزے ہیں نئے عشوے ہیں اور ناز نئے

ان سے ملنے کا نکل آتا ہے ہر شب اک طور
روز ہو جاتے ہیں سامان خدا ساز نئے

کل جو باتیں تھیں وہی ہوں یہ تکلف کیسا
آج کیا ہو گئے ہم اے بت طناز نئے

یہ آج وجہ توقف ہے کیا اجل کیلئے
طبیب لکھتے ہیں نسخہ مزاج کل کیلئے

یہ اضطراب یہ بے چینیاں یہ بیتابی
مجھے ہمیشہ ہے بجلی کو ایک پل کیلئے

ہوا مقام فنا میں میں اپنا خود عاشق
سمجھ گیا یہی موقع تھا اس محل کیلئے

جو دل میں درد محبت اٹھا تو ہم نے بھی
مزے تڑپنے کے پہلو بدل بدل کیلئے

نہیں ہے منزل ہستی میں فکر زاد سفر
کہ آج کے لئے ہے صبر امید کل کیلئے

خیال صورت جاناں کا شغل دلکو ہے
عجیب حسن ہے یہ چہرۂ عمل کیلئے

ہوا ہوں خلق میں جینے کو جھوٹے مستعد نیز
زباں انکے دہن میں ہے آج کل کیلئے

میں گھر میں غیر کے کیا اُنسے حال دل کہتا
زباں ہی نہ کھلی عرض بے محل کیلئے

میں کروں لاکھ ارادہ تو وہ کس کام کا ہے
بس بھروسا مرے اللہ ترے نام کا ہے

طالب وصل ہوا یہ تو عجب کیا اس کا
حوصلہ ہے تو مری جان دل ناکام کا ہے

بار اب پہلو میں رکھنا دل ناکام کا ہے
خبر اپنی نہ ہو جس کو وہ کسی کام کا ہے

خط عبث لکھتے ہیں آنا ہو تو آئیں وہ جلد
نزع میں ہوں یہ محل نامۂ پیغام کا ہے

شوق سے آنکھیں دکھاؤ مجھ کو کچھ رنج نہیں
شعبدہ یہ بھی تو اک گردش ایام کا ہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنسکر بولے
آپ رکھ چھوڑیے اس کو مرے کس کام کا ہی

دل مرا ہاتھ میں لے کر یہ فرماتے ہیں
اِس کو پامال کردوں اور یہ کس کام کا ہی

لگاوٹ کی ادا سے انکا کہنا پان حاضر ہی
قیامت ہے ستم ہی دل فدا ہی جان حاضر ہی

کہو جو چاہو سُن لینگے مگر مطلق نہ سمجھیں گے
طبیعت تو خدا جانے کہاں ہی کان حاضر ہی

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جنکو انکا دو نشاں یارو
اسے میں کیا کروں گا یہ جو سب سامان حاضر ہی

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھ کو اسنے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہی

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے
گو بُت ہیں آپ بہر خدا مان لیجئے

دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لیلیا
اُلٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے

غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنسکر کھلا دیا
مجھ سے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے

مرنا قبول ہی مگر الفت نہیں قبول
دل تو نہ دونگا آپ کو میں جان لیجئے

حاضر ہوا کرونگا میں اکثر حضور میں
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجاب رُخِ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کو جہاں پھر کوئی ارمان نہ رہی

صورتِ یار جو سو پردوں میں پنہاں نہ رہے
بحث پھر تم میں یہ اے گبر و مسلمان نہ رہی

سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ
ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انسان نہ رہی

مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہی اجل
یہ بھی ممکن ہے رہو تم شب ہجراں نہ رہی

آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق
آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انسان نہ رہی

میں تو عشق بت ظالم سے نہ باز آؤں گا
عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہی

آئینے کو ہے یہ حیرت کہ سکندر ہوئے خاک
ہوش پریوں کے اُڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہی

چشمِ نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہی

صبح تک ہجرِ صنم میں یہ دعا تھی اپنی
میں رہوں یا نہ رہوں یہ شب ہجراں نہ رہی

ان کا یہ ناز کہ آجائیں گے جلدی کیا ہے
اپنا یہ حال کہ دم بھر کے بھی مہماں نہ رہے

منہ نہ موڑ و ستم و جور بتاں سے اکبرؔ
بندگی کیسی اگر تابع فرماں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاءاللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

مصیبت عشق کی تنہا مجھی پر کیا گذرتی ہے
تمہارے حسن عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے

خبر ملتی نہیں کچھ مجھ کو یاران گذشتہ کی
خدا جانے کہاں ہیں کسطرح ہیں کیا گذرتی ہے

مری آنکھوں میں تو اسکا گذر بھی ہو نہیں سکتا
یہ آنکھیں آپکی ہیں نیند جس میں چین کرتی ہے

محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں
جو مجنوں سر ٹپکتا ہے تو لیلی آہ کرتی ہے

اثر کچھ ہو چلا ہے سوزش الفت کا سینے میں
الٰہی خیر ہو دل کانپتا ہے روح ڈرتی ہے

پریشاں رکھتی ہے دن رات اگر بیوفاؤں پر
طبیعت آدمی کو کس قدر بے چین کرتی ہے

کیا قہر ہے اجل مرے سر پر کھڑی رہے
غیروں کی تم کو فکر عیادت پڑی رہے

اے شور حشر شہر خموشاں کی لے خبر
اب کب تلک اُجاڑ یہ بستی پڑی رہے

جدت ہو فکر میں تو توارد کبھی نہ ہو
مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

ہے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی
ہر داغ بڑھاتا ہے تجلی مرے دل کی

کیا اور ہے ممکن ہو تسلی مرے دل کی
جب آپ ہی نے کچھ نہ خبر لی مرے دل کی

رونا ہے جو فرقت میں یہی دیدۂ تر کا
طوفان میں آجائے گی کشتی مرے دل کی

مہماں ہے جس روز سے سینے میں تری یاد
آباد ہے اُجڑی ہوئی بستی مرے دل کی

آخر کو یہ جلنے بھی لگا شعلۂ غم سے
کچھ فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی

یا اسکی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم
یا فکر تمھیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی

نظروں سے ترے گر کے ہوا عشق دوبالا
ہوتی ہے تنزل میں ترقی مرے دل کی

دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اسکو
کی واہ دوا آپ نے اچھی مرے دل کی

جب تولِ وفا ہار چکا میں تو پھر اب کیا
جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی

باطن سے ہوں نظارگیِ جلوۂ جاناں
آئینۂ معنی ہے صفائی مرے دل کی

رنگینی میں نرمی میں صفائی میں ضیا میں
ہے ایک سی خلقت ترے رخ کی مرے دل کی

نابود ہوئے جل کے خیالاتِ دو عالم
اللہ رے ترے عشق میں گرمی مرے دل کی

سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربان تمنّا
کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی

ملتا ہے مزا ان کو مرے جوشِ جنوں کا
سرخوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی

یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بیخود
وہ خوبیِ قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی

وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
اس وقت میں ہو خیر الٰہی مرے دل کی

تسکیں کے لئے رہتے تھے سینے پہ جو ہر دم
اب ہے انھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی

کیوں مکتبِ غم میں سبق عشق نہ پڑھتا
تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی

کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت
اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

کہنا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بیچین ہے دل سینے میں مرا رہ رہ کے تری یاد آتی ہے
وہ چشمِ سیہ جادو کی بھری آنکھوں میں مری پھر جاتی ہے

اے حسرتِ وصل خدا کیلئے بیچین نہ کر اتنا مجھ کو
کیوں زخم نئی ہے دل میں مرے کیوں روح کو یوں تڑپاتی ہے

تم اسکے جدا ہو جانیکا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم
ہے جان سے پیاری کونسی شے انسان سے یہ بھی چھٹ جاتی ہے

ہو گا کیا رنجش جو تجھ سے اے پری ہو جائیگی
جس سے دل لگ جائیگا اک دل لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہہ کر مرے مطلب کی بات
آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئے گا آغوش میں میرے جو وہ رشکِ چمن
نکہتِ گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نزع میں ہوں اب بھی آ جائیں وہ دم بھر کیلئے
اور تو کیا اک نگاہ آخری ہو جائیگی

جو اس سرو قد سے جدائی ہوئی ہے
قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے

ذرا دیکھنا پھر اُنھیں چتونوں سے
یہ پیاری ادا دل کو بھائی ہوئی ہے

نہیں روئے رنگیں پہ زلفوں کا جلوہ
گلستاں پہ بدلی یہ چھائی ہوئی ہے

کسی کا نہیں ہے گذر اس گلی میں
یہ قسمت سے اپنی رسائی ہوئی ہے

مرا سوز دل آپ کیا دیکھتے ہیں
یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے

نہ دیکھینگے وہ اسطرف آنکھ اُٹھاکر
کچھ اور ان کے دلمیں سمائی ہوئی ہے

دکھاتے نہ تھے آپ یوں مجھ کو آنکھیں
یہ شوخی کسی کی سکھائی ہوئی ہے

مکدر کیا تھا رقیبوں نے اُن کو
بڑی مشکلوں سے صفائی ہوئی ہے

جو چاہیں کریں بے وفائی وہ اکبر
طبیعت مری ان پہ آئی ہوئی ہے

دورِ اول

عمر اکیس سال یعنی سنہ ۱۸۶۶ء کی تصنیف

الفت جو کیجئے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجئے تو بُت بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہ طور پہ باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھئے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر
اظہار اسکا کیجئے اس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یار ہے
اب موسم بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تمھیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید
اے یار اور ہوگا تمھاری جفا سے کیا

دار فنا سے لے نہ چلے کچھ تو غم نہیں
فرمائیے تو لائے تھے ملک بقا سے کیا

تیرے مریض غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہدیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلف دراز کی
مضمون ہاتھ آتے ہیں فکر رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غم شب ہجراں تو اپنی جاں
اُمید صبح دیتی ہے ہم کو دلا سے کیا

صد چاک مثل شانہ کرے عاشقوں کا دل
ہوگا بس اور آپ کی زلف دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہوگا شب وصل میں ضرور
ہوگا حضور آپ کی شرم وحیا سے کیا

میں حال دل تمام شب ان سے کہا کیا
ہنگام صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہر نمود عنبر گوارا ہوا اپنا خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگ حنا سے کیا

عمر ۲۳ سال

جلوۂ رفتار جاناں ہے نمونا حشر کا
حق بجانب ہی جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

بے تامل تیری قامت کے جو مضموں مل گئے
شاید اب نزدیک آ پہونچا زمانہ حشر کا

جلوۂ قامت نے کچھ ایسا ہمیں گھبرا دیا — جیتے جی ہم سمجھے آ پہونچا زمانہ حشر کا
میری آنکھیں نوح کے طوفاں کی دکھلاتی ہیں سیر — انکی چتون نے تو دکھلایا تماشا حشر کا
یاد قامت نے کیا ہے واعظوں کا معتقد — روز میں سننے کو جاتا ہوں فسانا حشر کا
لوح قسمت کے مطابق نامۂ عصیاں ہے جب — پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھکو کھٹکا حشر کا
ہے شب ہجراں درازی میں لسان زلف یار — طول میں روز جدائی دن ہے گویا حشر کا
یاد قامت سے جو اسدن مل گئی فرصت ہمیں — دیکھ لیں گے دور سے ہم بھی تماشا حشر کا
بیخبر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا — آپ کی محفل بھی گویا ہے نمونا حشر کا
جنس عصیاں نفع خاطر خواہ پر بیچیں گے ہم — اے غم نقصاں ذرا ہونے دے میلا حشر کا
فاتحہ پڑھنے مری تربت پہ خوش قد آتے ہیں — ہر شب آدینہ یاں ہوتا ہے میلا حشر کا
کیا قیامت نامہ پڑھ پڑھ کر سناتا ہے مجھے — خوف تو مجھ کو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا
واعظا میں اس کا محو جلوۂ رفتار ہوں — جس کا ہر نقش قدم ہے اک رسالا حشر کا
انتہا کا حسن بخشا ہے اُسے اللہ نے — کیوں دل و جاں سے نہ میں ہو جاؤں شیدا حشر کا
نامۂ اعمال میرا اسکی ہے زلف سیاہ — نور رحمت سے تمہارے حق ہے رخ زیبا حشر کا
وحشت دل مجھ سے کہتی ہے چلو بھی یاں سے اب — طے ابھی برسوں نہ ہوگا یہ بکھیڑا حشر کا
خواہش خلد بریں میں آرزوئے حور میں — کون مدت تک اُٹھائے ناز بیجا حشر کا

حشر تک اب ہاتھ آئینگے نہیں مضمون حشر
تمنے اے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

سنہ ۱۸۷۳ء مقام آگرہ

ہجر میں دانتوں کے گریاں جو میں بیتاب ہوا — اشک جو آنکھ سے نکلا دُر نایاب ہوا
سبزۂ خط سے قرار دل بیتاب ہوا — کشتہ اس بوٹی سے آخر کو یہ سیماب ہوا
مورد طعنۂ بیگانہ و احباب ہوا — خوب رسوا ترے ہاتھوں دل بیتاب ہوا

ہوگیا غرق میں یادِ رخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ نے مجھے حلقۂ گرداب ہوا

تو سہے وہ برقِ تجلی کہ ترا نقشِ قدم
روکشِ آئینۂ مہرِ جہاں تاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسنِ ظہورِ ایجاد
نور تیرا سببِ عالمِ اسباب ہوا

گلِ ہستی کو ترے رنگ نے زینت بخشی
چمنِ خلق ترے فیض سے شاداب ہوا

حسرت اے عقل کہ پائی ترے لشکر نے شکست
مژدہ لے عشقِ جنوں آج ظفر یاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی حائل جو میں بیتاب ہوا

ق

موجیں دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کیلئے
طوقِ گردن کے لئے حلقۂ گرداب ہوا

چشمِ معنی سے جو کی سیر طلسماتِ جہاں
پتّا پتّا مجھے اِک گلشنِ شاداب ہوا

قطرے قطرے میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرّہ ذرّہ صفتِ مہرِ جہاں تاب ہوا

اِک زمانے کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبہ کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھ کو شراب
فرقتِ شیشہ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اِک باب ہوا

اُس طرف قلقلِ مینا ہے اِدھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

درد ہوتا ہے یہ کہہ کر کئے کان آپ نے بند
حال میرا نہ ہوا قطرۂ سیماب ہوا

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ دندانِ صنم
دیکھئے لعل سے پیدا درِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبب پہ نگاہ
اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا

یاں کی رنگینیاں ہیں عینِ دلیلِ غفلت
سُرخیِ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا

گردشِ بخت سے آنسو ہی نکلتے ہیں مدام
اس میں بھی کیا اثرِ گردشِ دولاب ہوا

ضیقِ فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبرؔ
میں تو شرمندۂ فرمائشِ احباب ہوا

ابھی سے خون رُلاتی ہے مجھ کو فکرِ مآل
چمن میں بعد ترے اے بہار کیا ہوگا

انھیں پسند نہیں اور اس سے میں بیزار
الٰہی پھر یہ دل بیقرار کیا ہوگا

عزیز و سادہ ہی رہنے دو لوح تربت کو
ہمیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

زمانہ ہو گیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدا ناخواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا

محبت ہو نہ ہو انکو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہ ہونیسے ہے اسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا

پسا جاتا ہوں میں سو جان سے اس بیوفائی پر
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اسقدر بگڑا
کہیں درد جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت
گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اس ناتوانی پر تن بسمل بنا تم سے
جو طاقت بھی کہیں اے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

سنہ ۱۸۶۶ء

کس قدر جوش مسرت میں ہے سر پر سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا

مصر خوبی کا تو نوشاہ ہے مثل یوسف
سایۂ لطف خدا ہے ترے سر پر سہرا

عارض و خال کا تیرے ہے اسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشک مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترے فرق مبارک پہ ہو آکر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اسے
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نگہت گیسوئے مشکیں نے دکھایا جو اثر
ہو گیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا

مہ و زر روشن کا گماں کیوں شب عشرت یہ نہو
عکس رخسار سے ہے مہر منور سہرا

گلشن حسن میں اللہ رے رسائی اسکی
ہو گیا سنبل گیسو کے برابر سہرا

زینت حسن خداداد جو شادی سے ہوئی
بن گیا چہرۂ پر نور کا زیور سہرا

جلوۂ حسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
اسلئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

یہ طراوت عرق رخ کی نہیں ہے اسمیں
آب آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا

کہدیا ہم نے یہ اک دوست کی فرمایش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

سنہ ١٨٧٠ء

لاکھ جرأت کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں اُنھیں
دل میں رُعب حُسن سے خوف و خطر آہی گیا

میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کرتا ہوں فساد
رنج تو مجھ سے نہ تجھے اے فتنہ گر آہی گیا

دھیان میں لایا سر مو بھی نہ اسکی نازکی
کُھل کے جوڑا خود سری سے تا کمر آہی گیا

گو بہت کچھ رنج یاران وطن سے تھا ہمیں
آنکھ میں آنسو مگر وقت سفر آہی گیا

میری آہیں سُننکے کان اپنے کئے تھے تمنے بند
روئے آخر کو دل میں کچھ اَثر آہی گیا

آسکے جب غش میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا
ہوش میں آ اب تو میں اے بے خبر آہی گیا

بعد مدت کے نظر آئی جو صورت یار کی
سو طرح دل کو سنبھالا غش مگر آہی گیا

حسرت کو شہر عشق میں بھیجا خدا نے جب
رہنے کو خانۂ دل مضطر بنا دیا

پہلے ہی چال آپ کی تھی فتنہ زا حضور
گھونگھروں نے اور فتنۂ محشر بنا دیا

لکھی بیاں تلک صفت اس نو نہال کی
خامے کو ہم نے شاخ گل تر بنا دیا

نظارہ روز و شب ہے مصحف رخسار قاتل کا
یہی صورت رہی تو بس خدا حافظ مری دل کا

خزاں میں کیا ادا سی چھائی ہے صحن گلستاں پر
نہ وہ پھولوں کی رنگینی نہ وہ نغمہ عنادل کا

یہ زینت بندش الفاظ کی ہے حسن معنی سے
نہ ہو جلوہ جو لیلیٰ کا تو پھر کیا لطف محمل کا

سنہ ١٨٧٣ء

کیسی کیسی وہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں
دھوکے کھاتا ہے ہمارا دلِ ناداں کیا کیا

خوب فرما گئے ہیں حضرت آتش اکبر
میرے اللہ نے مجھ پر کئے احساں کیا کیا

یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک نے اکبر کا نوٹس لیا اور اس وقت اکیسواں سال تھا

سمجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا
اکبر یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دکھلاتے ہیں بُت جلوۂ مستانہ کسی کا
یاں کعبہ مقصود ہے بتخانہ کسی کا

گر شیخ و برہمن سُنیں افسانہ کسی کا
معبد نہ رہے کعبہ و بتخانہ کسی کا

اللہ نے دی ہے جو تمھیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جا کے سیہ خانہ کسی کا

اُس کوچے سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا

اشک آنکھوں میں آجائیں عوض نیند کے صاحب
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا

جان اپنی جو دی شمع نے شعلے سے لپٹ کر
سمجھا رُخِ روشن اُسے پروانہ کسی کا

شمعِ رُخِ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
ہے حوصلہ بھی صورتِ پروانہ کسی کا

کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
ہے پیشِ نظر جلوۂ مستانہ کسی کا

الفت مجھے اس سے ہو اسے غیر سے ہو عشق
میں شیفتہ اس کا ہوں وہ دیوانہ کسی کا

عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا

حیراں ہوں اسے تاب جمال آئیگی کیونکر
بیخود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا

پہونچی جو نگہ عالمِ مستی میں فلک پر
ہم سمجھے مہِ نو کو بھی پیمانہ کسی کا

کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالتِ دل کو
سُنئے گا لبِ گور سے افسانہ کسی کا

ساماں تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
جنت میں بھی یاد آئیگا کاشانہ کسی کا

نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں
بلبل کی طرح گل بھی ہو دیوانہ کسی کا

چشم و دل عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا

تاثیر جو کی صحبتِ عارض نے دمِ خواب
خجلت دہِ آئینہ ہوا شانہ کسی کا

کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دمِ آخر
کام آیا نہ اس وقت میں یارانہ کسی کا

کچھ دور نہیں ساقیِ کوثر کے کرم سے
بھر دے مئے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا

رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بیخوف
کیا تو دل صد چاک ہو لے شانہ کسی کا

تاثیر محبت ہے جو ہو جاتے ہیں بیچین
رو دیتے ہیں اب سن کے وہ افسانہ کسی کا

احباب نے پوچھا جو مرا حال تو بولے
سنتے ہیں وہ ان روزوں ہے دیوانہ کسی کا

ق

دیکھا ہے عجب رنگ کچھ اس دورِ فلک میں
کوئی نہیں اے ساقی میخانہ کسی کا

یاں شیشۂ دل خونِ تمنا سے ہے لبریز
واں بادۂ گلفام سے پیمانہ کسی کا

سب مستِ مئے شوق ہیں ان آنکھوں سے اے دل
اس دور میں خالی نہیں پیمانہ کسی کا

بخشی ہے جبیں سائی کی ور پر جو اجازت
واجب ہے مجھے سجدۂ شکرانہ کسی کا

اے حضرت ناصح نہ سنے گا یہ تمہاری
میرا دلِ وحشی تو ہے دیوانہ کسی کا

کرتے وہ نگاہوں سے اگر بادہ فروشی
ہوتا نہ گذر جانبِ میخانہ کسی کا

حسرت ہی رہی زلفوں کے نظارہ کی مجھ کو
یہ پنجۂ مژگاں نہ بنا شانہ کسی کا

کس طرح ہوا مائلِ گیسو نہیں معلوم
پابند نہ تھا یہ دلِ دیوانہ کسی کا

ہم جان سے بیزار رہا کرتے ہیں اکبر
جب سے دلِ بیتاب ہے دیوانہ کسی کا

یہ دوسری غزل ہے جو اکبر نے مشاعرے میں پڑھی بعمر ۲۲ سال

مبارک میکشو موسم پھر آیا بادہ خواری کا
چمن میں شور ہے پھر آمدِ فصلِ بہاری کا

نہایت اجتماعِ آتش و سیماب مشکل ہے
خیالِ رخ میں کیونکر حال لکھوں بیقراری کا

ہمارا غنچۂ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی
فقط کلیاں کھلانا کام ہے بادِ بہاری کا

چمن میں خندہ زن گل ہے تو میخانہ میں پیمانہ
یہاں ہے فیضِ ساقی واں کرم بادِ بہاری کا

مسخر کرتا ہوں پریوں کو میں جادو بیانی سے
حسینوں میں فسانہ ہے مری ذی اختیاری کا

ہوئی ہے الفتِ معبود میں دیوانگی مجھ کو
مقر کیوں کر نہ اک عالم ہو میری ہوشیاری کا

ناقصاں را سود بخشد پرتو اہلِ کمال
ماہ نور امیکند در نور کاملِ آفتاب

بینیمش در قطع رہ ہر روز روز اولیں
صنوت من ہست جویائے چہ منزل آفتاب

ہر سحر لرزاں و ہر شب بخوں می بینمش
شد مگر از غمزۂ حسن تو بسمل آفتاب

حیرتم بنود بریں اوج تو اے لیلائے حسن ۔۔ ناقہ ات گردوں اگر سازند محمل آفتاب
مرکز آسا نقطۂ موہومش انگارند و بس ۔۔ گردد ار در حلقۂ بزم تو داخل آفتاب
ہست رفتار حسیناں باعث صد انقلاب ۔۔ میکند تغییر فصل از طے منزل آفتاب
سوز عشق روئے تو دارم بایں کم مائگی ۔۔ اخترے ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب
جوش زد چون پرتو نور رخت اے بحر حسن ۔۔ در افق گم گشت مثل موج ساحل آفتاب
پرتو نورت نمود اعجاز ہنگام شنا ۔۔ قطرہ قطرہ گشت در دامان ساحل آفتاب
میکشاں میخوردہ از بحر تردد بگذرند ۔۔ می رساند کشتی رنداں بساحل آفتاب
دانہائے سبحہ در دست ماست و شوق می بطبع ۔۔ بر کف انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب
بر سرش زہرہ اگر تابد اسیراں را خوش است ۔۔ بگذرد در دود از نور چاہ بابل آفتاب
بر سپہر معنی روشن چو گاہے سیر کرد ۔۔ ارمغاں آورد اکبر سوئے محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانیہائے تو
شعر می خوانی و میتابد بہ محفل آفتاب

دلم افسردہ شد و عشق و آرزو باقی است ۔۔ نماند در گل پژمردہ رنگ و بو باقی است
گماں مبر کہ ستم کردی و وفا نہ کنم ۔۔ بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است
فغاں کہ آتش غم زیر خاک ہم نگذاشت ۔۔ ہنوز سوز دل و آہ شعلہ خو باقی است
بہ بحر عشق فتادیم دست و پا نہ زدیم ۔۔ ہزار منت ہمت کہ آبرو باقی است
اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت ۔۔ فغاں کہ جان عزیزم شد و عدو باقی است
فدائے صورت زیبا رخے کہ فانی نیست ۔۔ نثار حسن حسینے کہ حسن او باقی است
ز زشتی عملم در لحد نمی پرسند ۔۔ ہزار شکر کہ یاد رخ نکو باقی است
پس فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا ۔۔ اگر بہ دل خلش خار آرزو باقی است
بحسن فانی دنیا مبند دل اکبر ۔۔ فنا شود رہ آں کس کہ نام او باقی است

جان نثاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے روئے دوست
چال ہے تیغ قضا کی جنبش ابروئے دوست

دیکھنے آئے تھے ہم حسن رخ نیکوئے دوست
آپ سے جاتے رہے آ کر میاں کوئے دوست

اہل دل کو ذکر قمری؎ سے یہ آتی ہے صدا
باغ دل میں چاہیے سرو قد دلجوئے دوست

رقص کرتی ہے نسیم صبح کیوں مستانہ وار
گلشن دل سے اڑا لائی ہے شاید بوئے دوست

کیسے کیسے گل کھلے ہیں نقش پائے یار سے
غیرت دامان گلچیں ہو رہا ہے کوئے دوست

وہ گل رنگیں ہوں میں پیدا ہے جس سے رنگ یار
رنگ وہ ہوں جس میں پنہاں ہو گئی ہے بوئے دوست

دشمنوں کا سر ندامت سے ہے جھکنے کیلئے
میری گردن ہے برائے خنجر ابروئے دوست

میں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں
جس میں جوہر کے عوض رہتا ہے عکس روئے دوست

چیزے کہ بہ عشق او می رقصد و می سوزد
دل ہست کہ در پہلوی رقصد و می سوزد

در شمع چو می بیند نورے ز رخ خوبت
پروانہ بگرد او میسر رقصد و می سوزد

ہر شمع بہ یاد او میگرید و می کاہد
ہر شعلہ بہ شوق او می رقصد و می سوزد

زائل اے دل بے مراد درد جگر ہو کیونکر
وصل جاناں ہے دوا اسکی مگر ہو کیونکر

محفل عشرت اغیار میں رہتے ہیں حضور
حال غم دیدۂ ہجراں کی خبر ہو کیونکر

جلوۂ شاہد معنی کی ہیں مشتاق آنکھیں
حسن صورت نہ مجھے منظور نظر ہو کیونکر

سیم تن ہیں انھیں رہتی ہے بہت خواہش زر
واں بھلا ہم سے غریبوں کا گذر ہو کیونکر

حاضری کا جو ملا حکم تو ہو یہ ارشاد
در دولت پہ جو آؤں تو خبر ہو کیونکر

غم ہجر تو چہ کردہ است بمن ہیچ مپرس
گریہ می آیدم از رنج و محن ہیچ مپرس

نالۂ من چو توانی بر یاراں برساں
اے صبا قصۂ دوری وطن ہیچ مپرس

بشنو از مرگ من و فارغ و خورم بنشیں
باش مستغنی و از گور و کفن ہیچ مپرس

دستے ہست بہ تشریح کمر ہیچ مگو
مشکلے ہست ز اسرار دہن ہیچ مپرس

آخر فصل بہار است و دم رخصت گل
دیگر از حسرت مرغان چمن ہیچ مپرس

؎ صوفیوں کے ایک طریقۂ ذکر کا نام ہے

شوق قسم آمادہ و دل مائل و قاتل کمیں — اندریں وقت ز بے صبری من ہیچ مپرس
وقت آں نیست کہ با شام غریباں سازم — باش و سلامے ہمسفر از صبح وطن ہیچ مپرس
حسرت چند بہ دل دارم و این نکتہ بس است — ور کہ آموختہ ام طرز سخن ہیچ مپرس
مگو از لعل یمانی و بہ بیں لخت دلم — اشک من بنگر و از دُرّ عدن ہیچ مپرس

بیکسی متکفل تربت او بود بدشت
قصۂ اکبر مہجور وطن ہیچ مپرس

وہ رشک گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس — بہار عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس
بہت پسند تر از رنگ ہے مجھے لیکن — بقا نہیں تجھے اے موسم بہار افسوس
بتوں کی یاد میں توبہ بھی بھولے ہم دم مرگ — چلے جہاں سے آخر گناہگار افسوس
جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب — تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس
کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعث گریہ — تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

طریق عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس

مشاعرہ ۱۸۸۴ء یا ۱۸۸۵ء

کام آتا ہے جو وصف رُوئے دلبر میں چراغ — اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ
یاد مژگان و رُخ روشن ہمارے دل میں ہے — یا کسی نے رکھدیا پہلوئے خنجر میں چراغ
آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رُخ پر نقاب — کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے صرصر میں چراغ
جب سے تحریر بنائے رُخ میں کام آتا ہے یہ — ہے عوض بتّی کے فکر تار مسطر میں چراغ
پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی — میرا یہ داغ ندامت ہوگا محشر میں چراغ
لال ڈورے ہیں جو چشم مست ساقی میں عیاں — ہیں طلسم حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ
دل کے پیمانہ میں داغ ہجر ساقی یہ نہیں — میکشو روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

یوں خیالِ گلرخاں میں ہے منوّر داغِ دل
جل رہا ہو جسطرح پھولوں کی چادر میں چراغ

دیکھتے ہو تم بہت پروانہ بنجائے نہ یہ
پڑ نہ جائے جادوئے چشمِ فسونگر میں چراغ

یوں ہے افشاں میں عیاں پیشانیِ روشن تیری
ماہ کا جلتا ہو جیسے فوجِ اختر میں چراغ

کر رہا ہے وصفِ آئینہ کا جو وہ شعلہ رو
ہے یہ گویا شکرِ احسانِ سکندر میں چراغ

روزِ روشن آئینے کا زلف نے شب کر دیا
عکسِ عارض نے جلایا چشمِ جوہر میں چراغ

یوں ہے دل کی خواہشوں میں داغِ حسرت کا ہجوم
جس طرح سے سیکڑوں جلتے ہوں لشکر میں چراغ

بیگنہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جان
کیا جواب اسکا خدا کو دیگا محشر میں چراغ

دل میں جتنی ہو سکے داغوں کی کثرت خوب ہے
چاہیئے افراط سے اللہ کے گھر میں چراغ

بزمِ ہستی میں نہ دیکھا پرتوِ روئے صنم
اس شبستاں میں نہ تھا میرے مقدر میں چراغ

غم کے شعلے یادِ عارض میں بھڑکتے رہتے ہیں
آجکل ہے دشمنِ جاں بزمِ اکبرؔ میں چراغ

عمر ۲۲ سال

آپ سے آتے ہو کب عشاقِ مضطر کیطرف
جذبِ دل یہ تمکو لایا ہے مرے گھر کیطرف

پوچھتا ہے جب کوئی اُنسے کسے ہے تمسے عشق
دیکھتے ہیں پیار سے شرما کے اکبرؔ کیطرف

اُنھیں نگاہ ہے اپنے جمال ہی کی طرف
نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی طرف

توجہ اپنی ہو کیا فنِّ شاعری کی طرف
نظر ہر ایک کی جاتی ہے عیب ہی کی طرف

لکھا ہوا ہے جو رونا مرے مقدّر میں
خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف

تمھارا سایہ بھی جو لوگ دیکھ لیتے ہیں
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے پری کی طرف

بلا میں پھنستا ہے دل مفت جان جاتی ہے
خدا کسی کو نہ لیجائے اس گلی کی طرف

کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے
تو دل سے ہوتی ہو در پردہ تم اُسی کی طرف

نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام محفل کی — وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف
نگاہ اُس بتِ خودبیں کی ہو مرے دل پر — نہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف
قبول کیجئے للہ تحفۂ دل کو — نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف
یہی نظر ہے جواب قاتل زمانہ ہوئی — یہی نظر ہے کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف
غریب خانہ میں للہ دو گھڑی بیٹھو — بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف
ذرا سی دیر ہی ہو جائیگی تو کیا ہوگا — گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف
جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہدینا — چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حُسنِ بتاں ہو اے اکبر
تم اپنا دھیان لگائے رہو اسی کی طرف

سنہ ۱۸۷۱ء

کوئی پہونچا نہیں اے یار تیرے قدِ رعنا تک — ہماری فکرِ عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک
کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محوِ تمنا تک — دلِ مشتاق کیا اپنے فدا ہے جانِ شیدا تک
دبستانِ محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھ کو — کتابِ عمر آخر ہوگئی حرفِ تمنا تک
گلستاں ہیں جو بلبل رنگِ گل پر جان دیتی ہی — نہیں پہونچی نظر اسکی ترے رخسارِ زیبا تک
تری فکرِ کمر سے ہو گیا ہے اسقدر نازک — کہ مشکل سے پہونچتا ہی تصور نامِ عنقا تک
دلِ صد چاک آتا ہے نظر جو صورتِ شانہ — رسائی اسکی ہی شاید تری زلفِ چلیپا تک
گماں ہے کاروانِ جذبۂ دل کا مجھے اس پر — کنوئیں سی کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک
نقاب الٹیں اگر وہ عارضِ پُرنور سے اپنے — شبِ یلدا کو سمجھے روزِ محشر چشمِ اعمیٰ تک
جو ہی طوقِ گلو گرداب تو زنجیرِ پا موجیں — تری الفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہی دریا تک
نہا کر آب آئینہ کیا ہے اُسنے پانی کو — نگاہیں بے تکلف جا رہی ہیں قعرِ دریا تک
زمیں پر شمعِ روشن ہی فلک پر ماہِ تاباں ہی — تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

میں ہوں وہ رشکِ مجنوں جس سے وحشت کو بھی وحشت ہے
وہ ویرانہ ہے میرا جس سے گھبراتا ہے صحرا تک

کیا ہے عاشق اک پردہ نشیں کا مجھ کو قسمت نے
میں وہ بیمار ہوں جو جا نہیں سکتا مسیحا تک

وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے
کہ فرطِ ضعف سے ہم کر نہیں سکتے اشارا تک

جو اس نے ناز سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے
خوشی سے یہ ہوئے بیخود کہ ہم بھولے تمنا تک

نہ نکلیں اشکِ حسرت نزع میں اے بیکسی کیونکر
وہ بیکس میں ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر رونے والا تک

جو وصفِ صاحبِ معراج ہے مدِّ نظر اکبر
مری فکرِ رسا جاتی ہے اب عرشِ معلیٰ تک

عمر ۱۱ سال

چشمِ عاشق سے گریں لختِ دلِ بیتاب و اشک
آپ یوں دیکھیں تماشا جانکر سیماب و اشک

اپنے دامن پر گرا کر کیوں انھیں کرتے خراب
جانتے یکساں اگر ہم گوہرِ نایاب و اشک

جانبِ زنجیرِ گیسو پھر کھنچا جاتا ہے دل
دیکھئے اب کیسے سر پر کیا بلا لاتا ہے دل

لوگ کیونکر چھوڑ دیتے ہیں محبت دفعتاً
میں تو جب یہ قصد کرتا ہوں مچل جاتا ہے دل

رکھ کے تصویرِ خیالِ یار کی پیشِ نظر
رات بھر مجھ کو شبِ فرقت میں تڑپاتا ہے دل

داغہائے سینہ گل ہیں آہِ سرد اپنی نسیم
گلشنِ ہستی میں کیا اچھی ہوا کھاتا ہے دل

بارگاہِ عشق کہئے تیرے دولت خانے کو
جو کوئی آتا ہے یاں تجھ سے لگا جاتا ہے دل

خوف کے پردے میں چھپ جاتی ہے جانِ ناتواں
عاشقی کے معرکے میں کام آ جاتا ہے دل

ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے یہ چلاتی تھی روح
ان کو مٹی میں ملانے کو لئے جاتا ہے دل

شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہمن بتخانے میں
اپنے اپنے طور پر ہر شخص بہلاتا ہے دل

قصد کرتا ہوں جو اٹھنے کا تو فرماتے ہیں وہ
اور بیٹھو دو گھڑی صاحب کہ گھبراتا ہے دل

یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو
بس انھیں باتوں سے اکبر مرا جل جاتا ہے دل

لکھتے ہیں کلکِ تصور سے ترے نام کو ہم | کام میں لاتے ہیں لوحِ دلِ ناکام کو ہم
بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایام کو ہم | خطِ تقدیر سمجھتے ہیں خطِ جام کو ہم
شکل اس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے | آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردشِ ایام کو ہم
نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار | یاد کرتے ہیں حسینانِ گل اندام کو ہم
آبِ حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے | لبِ جاں بخش سمجھتے ہیں لبِ جام کو ہم
گردشِ چشمِ حسیناں کا نہ کہیئے احوال | جانتے ہیں اثرِ گردشِ ایام کو ہم
ایک دن ہمکو لبِ گور سے سنوا دینگے | کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم
رہتی ہے کارِ دو عالم سے ہمیں وحشت سی | نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم
رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری میں اسیر | کانپ کانپ اٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں | یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں
ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونیکا | اسے بھی ہم غبارِ خاطرِ اعدا سمجھتے ہیں
کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جاناں کے | یہ رمزِ لن ترانی حضرتِ موسےٰ سمجھتے ہیں
تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے | نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں
یقیں کفار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا | اسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں
جنوں زائل ہوا ہوش آگیا صحت ہوئی ہم کو | بڑے عیار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں
کسی ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتی ہو محفل میں | خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں
رہے سرسبز گلشن ان کی بزمِ عیش و عشرت کا | کھٹک جاؤں گا میں مجھ کو اگر کانٹا سمجھتے ہیں
نگاہوں کے اشاروں سے جو تم اُٹھنے کا بتلاتے | مجھے بھی آپ کیا دردِ دلِ شیدا سمجھتے ہیں
میں اپنے نقدِ دل سے جنسِ الفت مول لیتا ہوں | اطبا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں
اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھے | خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں
نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم | جو ناپیدا ہے نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہمکو کچھ نہ سمجھے اے رقیبو اختیار اُن کا
یہ تم کیوں خوش ہوا تنے وہ تمھیں کو کیا سمجھتے ہیں

یہی رخ ہے کہ جسپر پھول کا اطلاق ہوتا ہے
یہی آنکھیں ہیں جن کو نرگس شہلا سمجھتے ہیں

تو وہ برق تجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے
ترے نقش کف پا کو ید بیضا سمجھتے ہیں

غزل اک اور پڑھئے آج ایسے رنگ میں اکبر
کہ ارباب بصیرت جسکو عبرت زا سمجھتے ہیں

جو اپنی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں
نفس کی موج کو موج لب دریا سمجھتے ہیں

گواہی دینگے روز حشر یہ سارے گناہوں کی
سمجھتا میں نہیں لیکن مرے اعضا سمجھتے ہیں

شریک حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی
فقط اک بیکسی ہے جسکو ہم اپنا سمجھتے ہیں

جو ہیں اہل بصیرت اس تماشا گاہ ہستی میں
طلسم زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

معرا ہوں ہنر سے میں سراپا عیب ہوں اکبر
عنایت ہے احبا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

شوق نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں
جی ہمارا بے ترے دیکھے بہلتا ہی نہیں

چین سے ہو بیٹھنا کیونکر نصیب اے ہمنشیں
جوش وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں

وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے انقلاب
ہجر میں رنگ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طول روز ہجر
حشر مجھ پر ہو گیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

ہر قدم پر دل پڑے ہیں حسرتا پامال میں
اب زمیں پر پاؤں رکھ کر یار چلتا ہی نہیں

چند روز آیا تھا میری قبر پر وہ شعلہ رو
اب تو مدت سے چراغ گور جلتا ہی نہیں

ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے ٹلتا ہی نہیں

بوسہ کیسا گالی دینے میں بھی ان کو بخل ہے
ان لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں

صورت پروانہ جل کر خاک بھی میں ہو گیا
دل ترا اے شمع رو لیکن پگھلتا ہی نہیں

نخل حسرت وہ ہوں میں جسکو ہیں یکساں چار فصل
وہ شجر ہوں باغ عالم میں جو پھلتا ہی نہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ
حوصلہ وہ ہوں جو دُنیا میں نکلتا ہی نہیں

رنگ وہ ہوں جو زمانے کے ہو باہر رنگ سے
وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں

شوق وہ ہوں وسعت دل جسکے آگے تنگ ہے
حرف مطلب وہ ہوں جو منہ سے نکلتا ہی نہیں

دل وہ ہوں جسمیں چبھے ہیں خار حسرت سیکڑوں
خار حسرت وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں

نقد سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں
سکۂ داغ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

سنہ ۱۸۹۶ء

یہ مصرعہ چاہیئے لکھنا بیاض چشم وحدت میں
خدا کا عشق ہے عشق مجازی بھی حقیقت میں

برنگ حسن جو ہے جلوہ فرما انکی صورت میں
خمیر عشق بنکر ہے وہی میری طبیعت میں

اگر میں ڈوب جاؤں قلزم اشک ندامت میں
گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں

بھریں گلہائے حسرت ہی سے دامان تمنّا کو
جو آنکلے میں بہر سیر گلزار محبت میں

لکھا خون جگر سے صفحۂ دل پر اسے اکبر
اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقش محبت میں

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن
ادھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دن

غضب کا حسن ہے آرایش قیامت کی
عیاں ہے قدرت پروردگار عید کے دن

سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری
رہا نہ دل پہ مجھے اختیار عید کے دن

وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دلمیں
وہ دور ہو گئی بس ایکبار عید کے دن

لگا لیا اُنھیں سینہ سے جوش الفت میں
غرض کہ آہی گیا مجھ کو پیار عید کے دن

کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں ہے خندۂ گل
عیاں ہے جوش شباب بہار عید کے دن

سوّیاں دودھ شکر میوہ سب مہیا ہے
مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن

ملے اگر لب شیریں کا تیرے اک بوسہ
تو لطف ہو مجھے البتہ یار عید کے دن

مضمون سوز غم نہ ہو کیونکر چراغ میں
پروانوں کے پروں کا ہے دفتر چراغ میں

ہو لطف حسن و عشق نہ کیونکر چراغ میں
ہے روشنی و سوز برابر چراغ میں

درگاہ جانے والے ہیں غیروں کے ساتھ وہ
گھی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارض روشن میں دیکھ لے
دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشید رخ نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورت اختر چراغ میں

اس بت کے دل کا اس دل روشن میں ہے خیال
ہے حسن اتفاق سے پتھر چراغ میں

جلنا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتی کی جا رہے تن لاغر چراغ میں

پھیلی ہمارے سوز محبت کی داستاں
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اس کے عارض پر نور میں نہیں
ہے جلوۂ بہار گل تر چراغ میں

داغ گناہ سے دل مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکبر چراغ میں

خودی بھی مجھ سے جب واقف نہ تھی میں تب سے بسمل ہوں
ازل[1] سے کشتۂ تیغ نگاہ ناز قاتل ہوں

دلا کیونکر میں اس رخسار روشن کے مقابل ہوں
جسے خورشید محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تل ہوں

خم گیسو پر اک رشک پری کے دل سے مائل ہوں
مجھے بھی ان دنوں سودا ہے دیوانوں میں داخل ہوں

نہیں معلوم اسکو تیری چتون سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھتا ہے کہ میں مرنے سے غافل ہوں

نگاہ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھ کو
تو پھر میں کیوں تڑپتا ہوں نہ زخمی ہوں نہ بسمل ہوں

گماں کیسی کہ حرف شکوہ بھی لب پر نہ آئے گا
یہ جبتک تم نہ کہہ لو گے وفا کا تیری قائل ہوں

رہ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل اسمیں نثار ہمت دل ہوں

جو یوں نہیں لحظہ لحظہ داغ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورت دل ہوں

مدد اے رہنمائے گمرہاں اس دشت غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں

یہ میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں
اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

گل مقصد جسے سمجھا وہ نکلا داغ ناکامی
غرض باغ جہاں میں خوبی قسمت کا قائل ہوں

[1] مصرع طرح

اگر دعوی یکرنگی کروں ناخوش نہو جانا
میں اس آئینہ خانے میں ترا عکس مقابل ہوں

توقع رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی مہلت ہو
معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں
بہانہ خوب ہاتھ آیا کہ پابند سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اسکی جس کو بیگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیل حاصل ہوں

زمین شعر جس سے آسماں بنجائے اے اکبر
علوِ طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے درد الفت ہیں وہ دل میں ہوں
اجل جسکو قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینت فتراک قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مرغ بسمل ہوں

بنے نظارہ جب سے عالم حیرت میں داخل ہوں
یہ محو روئے قاتل ہوں کہ شکل چشم بسمل ہوں

سنا کر وصف قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اس تعریف سے گویا زبان تیغ قاتل ہوں

فضائے دہر ہے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے
تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جسکو وہ بسمل ہوں

فنا ہے ہستی موہوم میری بیقراری میں
دل بیتاب کے ہاتھوں سے میں تسکین بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر
لپٹ کر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خون بسمل ہوں

قضا کا وہم بھی جس جا نہ پہونچیگا قیامت تک
وہاں تیغ نگاہ ناز قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیر خرد نے راہ الفت میں
کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں

دکھایا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں

عجب مضمون میں پیدا ہوا ہوں بیت ہستی میں
عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اسکا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعوے کر رہی تھی شکل انساں کا میں حاصل ہوں

ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں

جو پوچھا نیستی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہو
کمر نے یار کی ایما کیا میں حد فاصل ہوں

کرے اک قطرہ جسکا بےخبر شور دو عالم سے
عیاں ہے رنگ داغ عشق میری خاکساری سے
عجب مجموعہ میں ہوں سرکشی اور خاکساری کا
وہ داغ آرزو ہوں جس سے دل دامن بچاتا ہے
تصور وہ ہوں جو ہمرنگ ہے تصویر جاناں کا
جسے چشم تصوّر خواب میں بھی پا نہیں سکتی
رہ الفت میں آتی ہے یہی آواز دوزخ سے
صدائے صور سے شور قیامت کا یہ ایما ہے
وہ مجنوں ہوں کہ جسکی ہر نظر تصویر لیلیٰ ہے
اجل سے پوچھتا ہے ہر نفس جو باہر آتا ہے
کہاں اس بحر سے جائینگے بچکر گوہر مضموں
غزل ایسی پڑھوں جس سے برابر صید اسکے
وفور شوق قاتل سے نثار ہمت دل ہوں
ہجوم آہ سوزاں ہے خیال روئے جاناں سے
حجاب روئے قاتل سے غم ناکامی دل سے
وفور شوق ماتم سے صدائے نالۂ غم سے
ہوائے باغ عالم سے جفائے خنجر غم سے
بلائے یاد گیسو سے خیال تیغ ابرو سے
خیال حسن صورت سے ہجوم درد الفت سے
ہوائے شعلۂ غم سے جفائے چرخ ظالم سے
نسیم صبح عشرت سے فروغ شوق دولت سے

اُسی جام شراب تند کا ساقی سے سائل ہوں
گلستان محبت کا ہوں گل گو صورت گل ہوں
جو شعلہ باد و آتش سے تو آب و خاک سے گل ہوں
کوئی پہلو نہیں ملتا جسے دنیا میں وہ دل ہوں
خیال یار سے ملکر بنا ہے جو میں وہ دل ہوں
سراپا چشم ہو کر میں اسی محفل میں داخل ہوں
کہ میں بھی اک شرار شعلۂ بیتابیٔ دل ہوں
کہ میں بیساختہ اک نالۂ مستانۂ دل ہوں
حجاب حسن اٹھ جاتا ہے جس سے میں وہ محمل ہوں
اجازت ہو اگر تیری تو پھر سینہ میں داخل ہوں
سخن دریا جو ہے طبع رسا سے میں بھی ساحل ہوں
عروج فکر عالی ہوں نشاں عشق کامل ہوں
اُمید جذبۂ دل سے مقیم کوئے قاتل ہوں
فروغ بزم ماتم ہوں چراغ خانۂ دل ہوں
نگاہ چشم حسرت ہوں شہید ناز قاتل ہوں
شریک حال حسرت ہوں شکست شیشۂ دل ہوں
بقائے رنگ عشرت ہوں فنائے روح بسمل ہوں
ظہور جوش سودا ہوں گواہ حال بسمل ہوں
ہمائے اوج معنی ہوں نشان عشق کامل ہوں
چراغ داغ حسرت ہوں گرفتار غم دل ہوں
ہجوم خواب غفلت ہوں چراغ عمر غافل ہوں

لب پیمانۂ دل سے وفور شوق کامل سے
مریض لذت غم ہوں لب اظہار سائل ہوں

جفائے تیغ فرقت سے خیال راز الفت سے
زبان حال بسمل ہوں سکوت شمع محفل ہوں

علوئے جوش مستی سے صفائے طبع عالی سے
فدائے فکر اکبر ہوں نثار شعر مشکل ہوں

در گنجینۂ اسرار معنی کھول دو اکبر
بس اب پیر خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

کہیں دل ہوں کہیں ہوں باعث تنہائی دل ہوں
کہیں انداز بسمل ہوں کہیں ہوں ناز قاتل ہوں

کہیں تمکیں خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت
کہیں رنگ رخ گل ہوں کہیں شور عنادل ہوں

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہد معنی
کہیں ہوں محمل لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں

کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش
کہیں مجبور مطلق ہوں کہیں مختار کامل ہوں

کہیں ہوں شوق آزادی کہیں تدبیر پابندی
کہیں ہوں جوش سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں

کہیں عمر دو روزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی
کہیں گھٹنے کی لائق ہوں کہیں بڑھنے کی قابل ہوں

کہیں جذب محبت ہوں کہیں درد دل عاشق
کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں

کہیں جوش اہل معنی کا کہیں ہوش اہل صورت کا
کہیں شور انا الحق ہوں کہیں دعوائے باطل ہوں

کہیں ہوں حسن کا ارماں کہیں ہوں درد کی لذت
کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں

کہیں ہوں صورت لیلیٰ کہیں حال دل مجنوں
کہیں کھینچنے کے لائق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں

کہیں یاروں کی محفل میں کہیں ہنگامۂ دل میں
کہیں ہوں رند مشرب ہوں کہیں درویش کامل ہوں

کہیں تصویر حیرت ہوں کہیں محو پریشانی
کہیں ہوں شیفتہ رخ کا کہیں لفظوں کا مائل ہوں

معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب
کہیں خضر ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں

کہیں ہوں گوہر مقصد کہیں دامن تمنا کا
کہیں ہمت کریموں کی کہیں امید سائل ہوں

کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا
روانی میں کہیں دریا کہیں رکنے میں ساحل ہوں

یہ دریائے معانی جوش پر ہے دل میں اے اکبر
مگر ساکت ہوں جبتک آپ میں آنیکے قابل ہوں

لگی ہے آگ الفت کی ہمارے رشتۂ جاں میں
جلا کرتے ہیں مثل شمع ہم بزم حسیناں میں

اگر ہوگا جستجو مضموں کی وصف چشم جاناں میں
پھرے گی فکر پتلی کی طرح چشم غزالاں میں

پروئے یار نے موتی جو اپنی زلف پیچاں میں
نظر آنے لگے شبنم کے قطرے سنبلستاں میں

کیا موزوں جو مطلع میں نے وصف روئے جاناں میں
نظر آنے لگا خورشید تاباں برج میزاں میں

ترا کتے ہیں جو فرش گل پہ سوتے تھے گلستاں میں
اب انکی خاک اڑتی پھرتی ہے دشت بیاباں میں

نہ کیونکر وحشت دل پر گماں ہو شوق موسیٰ کا
تجلی وادی ایمن کی ہے اپنے بیاباں میں

انھیں کی آنکھ سے ممکن ہے انکا دیکھنا اے دل
بنوں حیرت سے آئینہ نہ کیونکر بزم جاناں میں

غزالان ختن آآ کے مجھ پر صدقے ہوتے ہیں
کبھی بیمار پڑتا ہوں جو یاد چشم جاناں میں

خزاں میں کیوں نہ ہو سرسبز نخل ماتم بلبل
عوض پانی کے جب حسرت برستی ہو گلستاں میں

تری زلف مسلسل دیکھ کر ظاہر ہوا مجھ کو
یہی زنجیر پائے دل کی ہے ہستی کے زنداں میں

اگر زنجیر پا ہوتی نہ الفت تیری زلفوں کی
نہ رہتے ہمسے دیوانے کبھی ہستی کے زنداں میں

اثر بعد فنا بھی گردش قسمت کا باقی ہے
بگولا بنکے میری خاک اڑتی ہے بیاباں میں

خیال ہجر یاران وطن سے جان جاتی ہے
غضب ہے ہوش آتا ہے جنوں مجکو بیاباں میں

زبان حال سے کہتا ہے میرا سبزۂ تربت
نشاں حسرت کا ہے نشو و نما بھی اس گلستاں میں

اسی مصرع پہ میں تو فصل گل میں وجد کرتا ہوں
تری قدرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں گلستاں میں

خزاں آتی ہے بلبل دیکھ لے اچھی طرح گل کو
خدا جانے کب آئے موسم گل پھر گلستاں میں

سناتا ہوں جو افسانہ کسی کی بزم عشرت کا
نسیم نوبہاری رقص کرتی ہے گلستاں میں

کریں گے حشر میں ظاہر جو ہم مجبوری الفت
ہمارا نامۂ اعمال ہوگا دست جاناں میں

سر خاک شہنشاہان عالم کہتی ہے عبرت،
قدم رکھے بچا کر آئے جو شہر خموشاں میں

پئے تسلیم سر جھکتا تھا سب کا جنکے ایواں میں
انھیں کی خاک اب پامال ہے گور غریباں میں

پھر آئی شکل یاران گذشتہ چشم گریاں میں
ہماری عمر روتے ہی کٹی گور غریباں میں

جمال حور کو کہتا ہے افزوں حسن انساں سے
کوئی عاشق بھی اُن کا زاہدا ہے باغ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں اے واعظ
تو پھر کس کام کی حوروں کی عمر ہے باغ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا ان زہرہ جبینوں کی
فرشتوں کے ہیں دل ڈوبے ہوئے چاہ زنخداں میں

کسی کو ہوتی کیا پروا ہمارے جینے مرنے کی
بسان سبزۂ بیگانہ ہم تھے اس گلستاں میں

نہیں سرو سہی کو باغ میں اندیشۂ صرصر
غرض ہے راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

ابھی تو موسم گل بھی نہ آیا تھا گلستاں میں
میں کیوں جامہ سے باہر ہو گیا شوق بیاباں میں

نظر آتا نہیں جز آہ کوئی مونس و ہمدم
بدل جاتی ہے دنیا کی ہوا شبہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یاران وطن کو کیا پتہ اپنا
خدا جانے مجھے لیجائے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے جب فصل بہاری کا
گلوں کو یاد کر کے خوب روتا ہوں گلستاں میں

وہ بالیں پر ہیں وقت نزع کیوں کر انسے رخصت ہوں
نہیں طاقت اشارے کی بھی مجھ دم بھر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے
نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو قابوئے سلیماں میں

وفور اشک سے یوں ہیں ہرے داغ جگر اپنے
چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصل باراں میں

یقیں تھا گوہر آمرزگاری کے جو ملنے کا
دم آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحر عصیاں میں

ہیں اپنے داغ سینہ طعنہ زن خورشید محشر پر
تماشا حشر کا ہے کوچۂ چاک گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کو اکثر صدا آتی ہے زنداں سے
کھلا ہے خانۂ زنجیر کا شوق مہماں میں

عجب کیا موسم پیری میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا
ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصل زمستاں میں

بقول رند مہمان فلک میں بھی ہوں اے اکبر
مری قسمت کا ٹکڑا بھی ہے اُسکے خوان الوان میں

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی
یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی

دوست احباب سے ہنس بول کے کٹ جائیگی رات
رند آزاد ہیں ہم کو شب فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا
عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
چار دن کے لئے انسان کو حسرت کیسی

ہے جو قسمت میں وہی ہو گا نہ کچھ کم نہ سوا
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی

حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی

کوچۂ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی

حسن اخلاق پہ جی لوٹ گیا ہے میرا
میں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی

آپ بے وجہ جو نہیں دیتے تو میں دل کیوں دوں
ایسی باتوں میں مری جان مروت کیسی

ہم نہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط
کیوں؟ نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی

سنتا ہوں چمن میں جو تری زمزمہ سنجی
یاد آتی ہے بلبل مجھے تقریر کسی کی

ملے ہر اک سے محبت مگر انھیں سے رہی
وہ عاشقانہ جو تھی اک نظر انھیں سے رہی

یہ کون بات پسند آگئی ہے غیروں کی
لگاوٹ انکی جو آٹھوں پہر انھیں سے رہی

چھٹو گے دام بلا سے کبھی نہ اے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انھیں سے رہی

عمر ۱۹ سال سنہ ۱۸۶۴ء

بے تکلف بوسۂ زلف چلیپا لیجئے
نقد دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا لیجئے

دل تو پہلے لیچکے اب جان کے خواہاں ہیں آپ
اس میں بھی مجھ کو نہیں انکار اچھا لیجئے

پاؤں پڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
وحشت دل کا ہے ایما راہ صحرا لیجئے

غیر کو تو کر کے ضد کرتے ہیں کھانے میں شریک
مجھ سے کہتے ہیں اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجئے

خوشنما چیزیں ہیں بازار جہاں میں بیشمار
ایک نقد دل سے یارب مول کیا کیا لیجئے

کشتۂ آخر آتش فرقت سے ہونا ہے مجھے
اور چندے صورت سیماب تڑپا لیجئے

فصل گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بیہوش آپ
کھو لئے آنکھوں کو صاحب جام صہبا لیجئے

تصور سے غم فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے
گریہ کمبخت آخر سینے سے دم نکلے ٹلتا ہے

خدا کی شان وہ میرا اتر بیٹھا دل لگی سمجھیں
کسی کی جان جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے

خیال زلف میں اے دل نہ بھٹکے کر منزل الفت
اندھیری رات میں نادان کوئی راہ چلتا ہے

وہ جب جب مسکراتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مری وحشت
سنبھالیں ہوش و اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے

مریض غم کیا کرتا ہے ضبط نالہ ہمت سے
مگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے

وصال یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی
کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے

محبت انسی کر کے پھنس گئے ہیں ہم تو آفت میں
نہ دل قابو میں آتا ہے نہ اُن پر زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں موزوں وصف انکے روئے روشن کا
مرا ہر شعر اکبر نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے
بوئے گل راہ گلستاں کی بتا دیتی ہے

سیر غربت کوئی جلسہ جو دکھا دیتی ہے
یاد احباب وطن مجھ کو رُلا دیتی ہے

بیخودی پردۂ کثرت جو اُٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

آمد یاس یہ ہو قہر خدا کا نازل
رہرو منزل الفت کو ڈرا دیتی ہے

ہو نہ رنگین طبیعت بھی کسی کی یارب
آدمی کو یہ مصیبت میں پھنسا دیتی ہے

نگہ لطف تری باد بہاری ہے مگر
غنچۂ خاطر عاشق کو کھلا دیتی ہے

اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہے جادو
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے

پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآل ہستی
راستہ گور غریباں کا بتا دیتی ہے

نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
بیکسی اُن کے تغافل کو دعا دیتی ہے

کیا صفائی رخ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے

دشمن اہل نظر ہے نگہِ حسن پرست
الفت پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

بدسلوکی تری لاتی ہے خرابی مجھ پر
میری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے

نگہ شوق سے کیونکر نہ گلوں کو دیکھوں
انکی رنگت ترے عارض کا پتا دیتی ہے

قید ہستی ہے غبار رُخ آئینۂ روح
جان مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے

کشتہ ہوں مرگ حسیناں کی میں بیدردی کا
خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

فکر اکبر گل مضموں کا دکھا کر جلوہ
محفل شعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

زیر گیسو روئے روشن جلوہ گر دکھلا گئے
شان حق سے ایک جا شام و سحر دکھلا گئے

گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دکھلا گئے
باغ عالم کی دو رنگی عمر بھر دیکھا کئے

جنبش ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو
آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کئے

صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جان زار
عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے

دیکھئے اب کیا دکھائے قسمت بد بعد مرگ
رنج واندوہ والم تو عمر بھر دیکھا کئے

خواب غفلت سے نہ چونکے اہل عالم ہے غضب
گو بہت نیرنگی شام و سحر دیکھا کئے

حسرت و حرمان و اندوہ و غم و رنج و الم
جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کئے

وعدۂ شب پر گمان صدق سے سوئے نہ ہم
راہ اُس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کئے

یاد میں رخسار تابان صنم کی رات بھر
دیدۂ حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کئے

پیدا وہ جفا کے جو نئے ڈھنگ کرینگے
تیغ نگہ ناز سے چو رنگ کرینگے

کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خط سبز
اب ہم نہ کبھی شوق مے و بنگ کرینگے

انکے دہن تنگ کا مضموں نہیں بندھتا
اب قافیۂ شعر کو ہم تنگ کرینگے

کر لے گا جگہ مثل شرر جذبۂ الفت
وہ سخت جو دل کو صفت سنگ کرینگے

دمساز دل سے ملنے بھی تو پائیں کبھی ای چرخ،
آراستہ پھر بزم نئے ڈھنگ کرینگے

تا سُنے دل پر داغ کو سکھلائیں گے موزوں
طاؤس کو ہم مرغ خوش آہنگ کرینگے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کرینگے تو خوش آہنگ کرینگے

اُن سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیر دل ہی سے دل کھولکے اب جنگ کرینگے

میلے ہیں حسینوں کے پریزادوں کے جمگھٹ
اب جا کے قیام اپنا لب گنگ کرینگے

راضی ہی نہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھ وصف دہن کچھ
معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کرینگے

رنگینیٔ مضمون جو دل صاف میں ہوگی
شیشہ میں گمانِ مے گلرنگ کرینگے

اکبر نہ ہو دمسازِ بتاں بہر خدا تم
دل دوگے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کے نشہ میں چور رہے کیونکر کہیں نیک انجام رہے
مستوں کی طرح گلیوں میں پھرے رندی میں کٹی بدنام رہے

اب ہم تو خدا کی عنایت سے لے عہد شکن آزاد ہوئے
پھنس جائینگے بہتوں کے طائرِ دل زلفوں کا سلامت دام رہے

ملنا جو نہ تھا قسمت میں لکھا تدبیروں سے کچھ حاصل نہوا
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہے

منہ ترا دیکھ کے فق رنگ گلستاں ہوجائے
دیکھ کر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہوجائے

یاد قامت میں جو میں نالہ و فریاد کر دوں
پیشتر حشر سے یاں حشر کا ساماں ہوجائے

جلوۂ مصحفِ رخسار جو آجائے نظر
حسرتِ بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہوجائے

آپ کے فیض قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشن رضواں ہوجائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنج شہیداں ہوجائے

آفتِ گردشِ افلاک سے پاؤں جو نجات
گردشِ چشم مجھے گردشِ دوراں ہوجائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رخِ رنگیں کی بہار
بو کے مانند ہوا رنگ گلستاں ہوجائے

لاغر اسدرجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تارِ بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہوجائے

حسرتیں ایسی ہوا کرتی ہیں اکثر مدفون
کیا عجب خانۂ دل گورِ غریباں ہوجائے

شباب جوش پہ ہے وہ لدے ہیں جوبن سے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

جب ان کو رحم کچھ آیا حیا نے سمجھایا
بگڑ بگڑ گئی تقدیر میری بن بن کے

مریض غم کو ڈرایا کرے نہ پھر اِتنا
قضا جو دیکھ لے تیور تمھاری چتون کے

نگاہِ ناز سے سارا زمانہ بسمل ہے
ہمیں شہید نہیں تیری ترچھی چتون کے

کمر پہ یار کی رہتا ہے قبضۂ خنجر
شہید ہم تو ہوئے رشک بخت آہن کے

اندنوں یار کے کچھ ذہن نشیں اور بھی ہے
جانتا ہے کہ نشست اُنکی کہیں اور بھی ہے

ایک دل تھا سو دیا اور کہاں سے لاؤں
جھوٹ کہئے تو میں کہدوں کہ نہیں اور بھی ہے

ناز بے جا نہ کیا کیجئے ہم سے اِتنا
اِسی انداز کا اک یار حسیں اور بھی ہے

غم فرقت میں بھی آتی نہیں ای چرخ جو موت
کیا کوئی صدمہ پئے جان حزیں اور بھی ہے

کہیو اس غیرت لیلےٰ سے یہ پیغام صبا
پہلوئے قیس میں اک دشت نشیں اور بھی ہے

جان دینا جو ہو لازم ہے اُسی دم دینا
تمھیں بتلاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے

میرے بلوانے کا احسان جتاؤ نہ بہت
مہرباں ایک بتِ پردہ نشیں اور بھی ہے

ان ردیفوں میں غزل کیوں نہو دشوار اکبر
ناتراشیدہ کوئی ایسی زمیں اور بھی ہے

اے خوفِ مرگ لیس جو انساں کے تو رہے
پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

فتنہ رہے فساد رہے گفتگو رہے
منظور سب ہے مجھے جو مرے گھر میں تو رہے

زلفیں ہٹائی چہرۂ رنگیں سے کیا ضرور
بہتر ہے مشک کی گل عارض میں بُو رہے

ق

ہنگام نزع روح نے قالب سے یہ کہا
اس خاکدان تیرہ میں بے آبرو رہے

اب تک ترے سبب سے رہے ہم بلا نصیب
اب تا بہ حشر گور کے پہلو میں تو رہے

یہ اشک انفعال نہ خالی اثر سے ہوں
یارب ہمارے موتیوں کی آبرو رہے

بلبل رہا ہے طائر دل اسمیں عمر بھر
سرسبز حشر تک یہ چمن آرزو رہے

اے چشم عین بزم میں رونا نہیں ہے خوب
وہ بات کر کہ جس میں تری آبرو رہے

پیرِ مغاں کا سلسلہ دیکھے جو محتسب
امیدوارِ بیعتِ دستِ سبو رہے

ہر دم یہ انتظار کا ایما ہے ہجر میں
آنکھوں میں جائے اشکِ جگر کا لہو رہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اڑانے کو ہاں آرزو رہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر یہی نگاہ یہی گفتگو رہے

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رونے سے عاشقوں میں مری آبرو تو ہے

ہوں میں تو رند مجھ کو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے

ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس
لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دلِ نالاں سے کس طرح
ہو آپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے

زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب
گر تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے

مجھ کو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا
بد خو اگر ہے یار تو ہو خوبرو تو ہے

جذبۂ دل نے مری تاثیر دکھلائی تو ہے
گھنگروؤں کی جانبِ در کچھ صدا آئی تو ہے

عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آئیے کمرے میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہوگا سودائی تو ہے

دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سوئے ملکِ عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں
نیند میں اس نے دلائی منہ سے سرکائی تو ہے

دیکھئے کب تک نہیں آتی گلِ عارض کی یاد
سیرِ گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بن کر اسکے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہو اے نوجواں اک شانِ رعنائی تو ہے

یوں مروت سے تمہارے سامنے چپ ہو رہوں
کل کے جلسوں کی مگر ہم نے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

جسکی الفت پر بڑا دعویٰ تھا کل اکبر تمھیں
آج ہم جا کر اُسے دیکھ آئے ہرجائی تو ہے

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت مری گھبراتی ہے
وہ بھی چپ بیٹھے ہیں اغیار بھی چپ میں بھی خموش
کیوں نہو اپنی لگاوٹ کی نظر پر نازاں

موت آتی ہے شب ہجر نہ نیند آتی ہے
ایسی صحبت سے طبیعت مری گھبراتی ہے
جانتے ہو کہ دلوں کو یہ لگا لاتی ہے

بزم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

رباعیات و قطعات وغیرہ

کھولی ہے زباں خوش بیانی کیلئے
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کیلئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
نظارۂ شاہد معانی کیلئے

تائید وضع ملت و دیں کی کرونگا میں
اہل زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
ہوتا نہیں طبیب مداوا سے دستکش
سچ ہے اجل تو ہنستی ہی سعی طبیب پر

جب لطف و کرم سے پیش آئی محبوب
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
جب مثل نسیم وہ گلے سے لگ جائے
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بیشمار دیکھیں لیکن
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوئے نیکنامی کا چھرا
عیاشی ہے بدی کے پہیئے کا دُھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بری
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی برا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ
سب سے بہتر روز و شب کا جلوہ
کہتا ہے عجم: عجم میں رحم ہے موجود
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوہ

وفا میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب

ہر چند محل انقلابات رہا — گھٹنے بڑھنے کا پیچ دن رات رہا
چھوڑیں نہیں منزلیں قمر نے اپنی — ذی رتبہ و صاحب مقامات رہا

آزاد سے دیں کا گرفتار اچھا — شرمندہ ہو دل میں وہ گنہگار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہو اک خصلت بد — واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

انقلاب جہاں کو دیکھ لیا — حب دنیا سے قلب پاک ہوا
کل کلی کھل کے ہو گئی تھی پھول — پھول کمھلا کے آج خاک ہوا

تھا سر میں کمال وہ تو سلطان بنا — تھا دل میں جمال وہ مسلمان بنا
لذت طلبی سے نفس بندی پہ جھکا — تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا — چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبر — قسمت ہی نے ہمکو ہر طرح سے لوٹا

رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا — لپکا جو سائے پردہ دیوانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست — محروم اُدھر ادھر سے بیگانہ ہوا

اکرم حق پہ رکھ نظر اپنی — جو عقیدہ ترا نہ ہو ڈھیلا
آسرا سب کا چھوڑ دے اکبر — وتبتّل علیہ تبتیلا

مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا — مکتب میں سر سخن فروشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا ای اکبر — لیکن اک عالم خموشی پایا

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہاراج ہیں سب — مالک دولت کے . مالک تاج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشم تحقیق اکبر — بے بس ہیں سب . خدا کے محتاج ہیں سب

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
بحث اُسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی

لا الٰہ[1] اور قل ہو اللہ کہکے پیغمبر بھی چپ
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اسپر بھی چپ

لامذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاح قوم
کعبے سے بُت نکال دئے تھے رسولؐ نے

ہرگز گذر سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

کامل کم ہیں اور اہل ارشاد بہت
ہے بزم سخن کا حال یہ اے اکبرؔ

ساحر کم ملیں گے صیاد بہت
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہد الست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے

نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
اک گور پرست ہے تو اک زور پرست

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبرؔ

ساتھ اسکے وہ لطف زندگانی رخصت
ہمکو بھی کرے جہان فانی رخصت

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اید وست
طلب مدد کی نہیں اُنسے جو ہیں خود محتاج

خدا گواہ کہ یکی یہی ہے بات اید وست
طلب مدد کی ہے بالصبر و الصلوٰۃ اید وست

تحریک ضرورت معیشت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے

خرقے کو بھی اب خیال خلعت ہے بہت
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

دُنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
وہ ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی

افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
عقبیٰ کا تصوّر اور اللہ کی یاد

حق نے جنھیں دی ہے فہم قرآن مجید
بدلے سو رنگ انقلاب دُنیا

ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مُرید
ہر حال میں اُن کو ہے خدا ہی سے اُمید

کس نماندست کہ در بیشہ شکارے بکند
ایں زماں ہمت مرداں بہ ہمیں محدود است

تیغ گیرد بہ کف و فتح دیارے بکند
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر
نظم میں بھی واعظ آزادی کی اب تائید کر

[1] اشارہ طرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے ۱۲

صاف ہی روشن ہی اور ہی صاحب سوز و گداز
شاعری ہیں بس زبان شمع کی تقلید کر

فرمان اجل کا آگیا وقت صدور
ہونگے کوئی دم میں شامل اہل قبور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں
یاں سب مجھے کہتے ہیں خداوند حضور

دیکھے اکبر کے آج کچھ اشعار
آئی بے حد پسند یہ گفتار
تجربہ خود بنے گا واعظ دیں
لیک بعد از خرابی بسیار

بے سود ہی یہ شکوہ و لفاظی و سیر
افسوس ہی مخلصونکو اور ہنستے ہیں غیر
پہلے چلیئے ابجد سے رب یسّر کہہ کر
ہو سکتی ہی تب امید تمت بالخیر

منکر ہیں[1] روح کے جو یہ اہل غرور
اک امر ہی پوچھنا ہمیں اُنسے ضرور
ہی فہم و خرد کا تم کو دعوی یہ کہو
پیدا ہوا مادّے میں کیونکر یہ شعور

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور
کہتا نہیں تمسے میں کہ ہو اس سے نفور
سوتوں کو جگا دیا اُنھوں نے لیکن
اللہ کا نام لیکے اُٹھنا ہی ضرور

لیجاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر
لکھیں یارب ملک مرا نام بخیر
اسلام سے جسنے بیوفائی کی ہے
پایا نہیں میں نے اسکا انجام بخیر

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
دولت جو ملی تو اسکو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو
جو اہل ہیں اُسکے اُنکی تعظیم بھی کر

یہ تھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ
اصلاح یہ ہی۔ نمود بے سود کو چھوڑ
بزم ملت کا عافیت جو ہی اگر
اللہ کے آگے جھک اُچھل کود کو چھوڑ

کہہ دو کہ میں خوش ہوں رکھوں گر آپکو خوش
بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

بیسود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
ذلت ہی در اصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع علم میں ڈھونڈھ
محنت میں کر سکوں و راحت کی تلاش

[1] ایک انگریزی مورخ کہتا ہی کہ یہ مسئلہ ڈاروِن کی سمجھ میں نہیں آیا ۱۲

غالب انسان پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرۂ دہر سے یہ آتی ہے صدا
مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

ہے ماہ صیام کی نہایت تعریف
نا اہلوں کو یہ کبھی لگاتا نہیں منہ
بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضاں کو شریف

تکمیل میں ان علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ یقیں
نیچر کی جو طاقتوں کو کردیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

دیکھا مناظروں کا بہت اُسنے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرت مذاق سلمہ
اکبر کے دلمیں اب نہ رہی بحث کی اُمنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہل حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں انپر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھ کو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھ کو عزیز
عبرت نہیں میری بزم دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھ کو وہ ذلیل

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
یک جا کردیں حوادث دہر اگر
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
جائز ہے کہ اُنسے مل مگر دل سے نہ مل

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اُس کو پیاری اکبر
ہر رنگ دکھائے تجھ کو خالق کا جمال
کہتا ہے کم آل[1] حسن کو حاصل ہو کمال

جب علم گیا تو شوق عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوش اکبر میں صدا
دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زور ملت معدوم

خواہان علم نہ طالب گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر حرب زباں نہیں ہے شمع اخلاص
گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دل سوز ہیں کم

[1] عالیجناب نواب احمد حسین خانصاحب بہادر تعلقدار پریاواں ۱۲

اب تک کوئی بہتری تو ظاہر نہ ہوئی
شاید کہ یہی ترقی قومی ہے
گذرے جاتے ہیں ہمپہ سال و مہ و یوم
ہر شخص بجائے خود بنا ہے اک قوم

دیکھو جو مقابل اسکے سارا عالم
اس اک ذرے میں ہے ہماری کیا اصل
دنیا بخدا ہے ایک ذرے سے بھی کم
نافہم ہیں کرتے ہیں ناحق ہم ہم

مخلوط کرو نہ نفس و نیچر کو بہم
جو بھوک لگے زبان کو وہ ٹھیک نہیں
گو نفس نے بھی لیا ہے نیچر سے جنم
نافع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

پڑتا ہے بتوں سے ساعت چند کا کام
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ
تمہید میں اس کی دولت و عمر تمام
دشوار ہے نفس پر عبادت کا نام

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش نسیم[1]
شادی نہ کر اپنی قبل تحصیل علوم
سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کرائم[2]
بت ہو کہ پری ہو خواہ وہ ہو کوئی ہیم

بھولے جاتے ہیں ہسٹری بھی اپنی
ہے دولت و جاہ بھی کمی پر ہر روز
مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم
ظاہر یہ ہے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

اس بزم سے سب کے سب اٹھے جاتے ہیں
اک قوت مذہبی عقیدوں سے تھی
تسکین کے جو تھے سبب اٹھے جاتے ہیں
وہ بھی تو دلوں سے اب اٹھے جاتے ہیں

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں،
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بیکار
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
درپیش ہے منزل عدم اے اکبر
مجھ کو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں

توحید انکے دلوں میں محفوظ نہیں
اس فرقۂ نو کو میں نے دیکھا اکبر
اللہ کے ذکر سے یہ محظوظ نہیں
اسلام ان کی نظر میں ملحوظ نہیں

تجھ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں

[1] شہرت سے مقصود

داخل ہیں نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تری بھی کوئی صفت ہے کہ نہیں

وہ رنگ کہن تمہارے عاشق میں نہیں
الجھا ہوا اب وہ طرز سابق میں نہیں
الفت ثابت کر و عمل سے صاحب
واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں

اردو میں جو سب شریک ہونیکے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونیکے نہیں
ممکن نہیں شیخ امراء القیس نہیں
پنڈت جی والمیک[1] ہو نیکے نہیں

کہا احباب نے یہ دفن کیوقت
کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کردی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
رونق نہیں اسکی جس کا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت ہو جو صاف
پگھلی ہی برف گو کہ وہ نرم نہیں

سمجھے جو کوئی برا یہ مضمون نہیں
کوئی پہلو خلاف قانون نہیں
ہر چند کہ یہ مزے چکھاتا ہی بہت
شیطان کا کوئی شخص ممنون نہیں

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حسن عمل کے دلمیں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہی کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

الفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں
بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مست نگاہ بت دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

ہی صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

مشکل سے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یوں نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

[1] سنسکرت کا ایک بڑا مصنف ۱۲

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں انہیں کچھ بھی غیرت پیدا

چٹکیاں اکدوسرے کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم ہیں پھر بھی ایک در کہتے ہیں سچ

اوروں کی کہی ہوئی جو دہراتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال

کہنے سننے کی گرم بازاری ہے
ایسا سنئے کہ کہنے والا ابھرے

لفظوں کے چمن بھی اسمیں کھل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
ہو جائینگی مشکلیں تمھاری آساں

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
مرنیسے مفر نہیں ہے جب اے اکبر

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
ہرگز نہ بڑھیں گے اُس سے نیچر کے مرید

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
برق گر جائیگی اکدن اور اُڑ جائیگی بھاپ

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو

اب ابتری سے یہ قوم رُکتی ہی نہیں
اور بات اگلوں کی ہے کہ چکتی ہی نہیں

ناگہاں غصہ جو آجاتا ہے لڑ پڑتے بھی ہیں
ہیں نظر آپس کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

وہ فونوگراف کی طرح گاتے ہیں
انسان یوں نہیں ترقیاں پاتے ہیں

مشکل ہے مگر اثر پڑے دلمیں
ایسی کہئے کہ بیٹھ جائے دلمیں

بے ساختہ قافیے بھی مل جاتے ہیں
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

اُمید اچھی خیال اچھا رکھو
اکبر اللہ پر بھروسا رکھو

اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

آزاد وہ ہے کہ جو مؤدب بھی ہو
اسپیچ وہ ہے کہ اسمیں یارب بھی ہو

حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو
ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

بس خدا سمجھا ہے اسنے برق کو اور بھاپ کو
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو

جو اس کے خلاف رائے رکھے اکبر — خاموش رہو سمجھ کی قلت سمجھو

جس بات میں تم شکست ملت سمجھو — اُس میں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندہ نفس ہو مخالف اُس کا — قومی غیرت کی اسمیں قلت سمجھو

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو — لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو — خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو — باتیں جو بری ہیں انسے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر — اسمیں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

دنیا ہے دنی کی یہ ہوس جانے دو — گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ — اللہ کو اپنے دلمیں بس جانے دو

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو — غالب ہے اُسی کی بات خاموش رہو
بدلا پاتا ہوں مجلس دہر کا رنگ — مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی — اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بنجاؤ — موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

اے جد بزرگ کے نواسو پوتو — تزئین کو ترک کرو زمینیں جوتو
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت — اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہو — دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہو
شہرت جو کمال سے ہویدا ہو جائے — لیکن بہ تکلفات مطلوبہ نہو

لوگ سنتے ہیں جو پیش آتی ہے یہ حالت کبھی — من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
لیکن اخلاقی نظر میں اس سے تو بہتر ہے وہ — من ترا پاجی بگویم تو مرا پاجی بگو

ہوتی ہے نصیب تلخ کامی تم کو — محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکتے تم کو غلام — ہے اپنی ہی نفس کی غلامی تم کو

تدبیر کریں تو اُس میں ناکامی ہو
تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو
القصہ عجیب ضیق میں ہیں ہندی
یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو

منہی کو بھی بد نہ کہئے ترغیب ہے یہ
اُس ہی میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
شیطاں کو رجیم کہدیا تھا اک دن
اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

ہے عقل بشر بھی تابع حکم خدا
بیفائدہ سب میں بحث و تقریر ہے یہ
تدبیر کے باب میں ہے انکو شبہہ
کہدو اکبر کہ جزو تقدیر ہے یہ

مرد کو چاہئے قائم رہے ایمان کیساتھ
تادم مرگ رہے یاد خدا جان کیساتھ
میں نے مانا کہ تمھاری نہیں سنتا کوئی
سر ملانا تمھیں کیا فرض ہے شیطان کیساتھ

مسکین گدا ہو یا شاہ ذیجاہ
بیماری و موت سے کہاں کسکو پناہ
آہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

خوبی طاعت کی ہے مسلم اب بھی
عزت اسکی نہیں ہوئی کم اب بھی
خودبین و حریص و جنگجو ہو اگر
واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

رغبت جو دلائی وسعت مشرب کی
شامل اسمیں غرض تھی بیشک سب کی
لیکن تبدیل وضع و نقل فاتح
ہے بعض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

مذہب ہے گم ترقی یورپ کے سامنے
مخفی در خاکسار بھی ہے اور حباب بھی
لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ ہے مثل ابر
ابر غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

راحت کا سماں بندھا تو غفلت بھی ہوئی
حسرت کا کھنچا جو سین عبرت بھی ہوئی
دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر
بس اسکے مطابق اسکی حالت بھی ہوئی

تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ لے عشرت
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

تسبیح و دعا میں جسنے لذت پائی
اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی

کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھکر
بس دونوں جہاں کی اُسنے نعمت پائی

روزی ملجائے مال و دولت نہ سہی
گھر بار میں خوش ہیں عزیزوں کے ساتھ
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

رازِ بتِ شوخ کی خبر ہی نہ ملی
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب
دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی
جن کو اسوقت تک کمر ہی نہ ملی

کنسٹیٹیونسی نہوگا کچھ بھی غرض اگر مشترک نہوگی
خیال ملت نہوگا جبتک مفید ہرگز یہ بک نہوگی

بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں اپنی پوتھی میں بابا نانک
غذا نہوگی تو کیا جیوگے دیا کرو تم ہزار ٹانک[1]

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

گو کہ رک سکتی نہیں یہ نقل وضع مغربی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہمقالبی
بندگی تم کو مبارک صاحبوں کو صاحبی

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی
بھولا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر
قائم کرلیں ہیں تونے باتیں فرضی
زندہ رکھتی ہے تجھ کو کس کی مرضی

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی
پردہ اُٹھا تو کھل گیا اے اکبرؔ
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
محنت ہی کیلئے ہے تفریح قلب و روحی
قانع کیواسطے ہے اعزاز و نیکنامی
مقبول دوستاں ہے اکبرؔ کی خوش کلامی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
کچھ پڑھکے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
عزت کیلئے ہے کافی ایدل نیکی

بارہا جوش جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
کہ تماشا ہے یہ ہنگامۂ نیکی و بدی

نظر عشق میں ہے زندگی و موت اکبرؔ
اضطراب نفس چند و سکون ابدی

[1] دوائے مقوی کو ٹانک کہتے ہیں ۱۲

یہ زینت دنیا ہے کہ مٹی یہ ہے یعنی
بچوں کے سوا کون ہوا اسکا متمنی
گوش شنوا ہو تو سنوا سکے ترانے
اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی معنی

اس عہد میں یہی ہے بس داخل نکوئی
مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
شوق عمل نہیں ہے فکر اجل نہیں ہے
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

منظور اسے دل ہماری عرضی ہوگی
اُس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
اس دور فنا میں ہوگی لیکن جو بات
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
طبع انسان سے بت پرستی نہ گئی

سوچو کہ آگے چلکر قسمت میں کیا لکھا ہے
دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہے
ہشیار رہ کے پڑھنا اس جال میں نہ پڑنا
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ نے یہ کہا ہے

رکتا نہیں انقلاب چارہ کیا ہے
حیراں ہیں ملک بشر بچارا کیا ہے
تسکیں کیلئے مگر ہے کافی یہ خیال
جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے

غنچہ رہتا ہے دل گرفتہ پہلے
رنگ چمن فنا سے گھبراتا ہے
کہتی ہے نسیم آ کے راز فطرت
سنتے ہی پیام دوست کھل جاتا ہے

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم
لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
کھلتا نہیں راز دہر شکوہ ہے تو یہ
اور شکر یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

انسان یا بہت سے دلوں کو ملا سکے
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

تو نے دل دہر سے ملا رکھا ہے
قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت سے تو
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہے

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے
شیطاں نے فلسفے میں الجھایا ہے

قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آتا ہے

دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دور میں خوش نصیب وہ ہے اکبر
جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہے

ہر حال میں بہر روح انسب وہ ہے
اللہ اور رسول کا بھی مطلب وہ ہے
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو
اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہے

سنہ ۱۹۰۶ء

لکچر سے نہ ہے نہ کچھ خیالات سے ہے
تہذیب سے ہے نہ ترک عادات سے ہے
اکبر بخدا یہ کامیابی ساری
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہے

دنیائے دنی محل آفات بھی ہے
فکر روزی مخل اوقات بھی ہے
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہے آدمی تو اک بات بھی ہے

انساں میں معتبر لیاقت بھی ہے
محبوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
انداز سخن سے بھی ہے اندازۂ طبع
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے
لذت وہ ہے کہ جوش صحت سے ملے
ایمان کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے
عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکیں
دنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

انبساط نفس الگ ہے روح کا وجد اور ہے
دشت وحشت اور ہے اور وادی نجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظور نظر
یاد رکھ اکبر تکبر اور ہے مجد اور ہے

ارمان نہ شراب و بزم شاہد کا ہے
سامان نہ محافل و مساجد کا ہے

اکبر کو ہے انس کنج تنہائی سے
دھیان اسکو فقط خدائے واحد کا ہی

کچھ تنگ نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہی
لیکن خدا کے واسطے خلق خدا سے مل
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہی
سمجھیگا اس کو وہ کہ جو اہل شعور ہی

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہی رنگ
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہی
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہی

سنئے حکمت جو میری گفتار میں ہی
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
اک حدِّ ادب ہر ایک سرکار میں ہی
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہی

شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہی
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی
دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہی
اکثر ہے یہی کہ خبط ہو جاتا ہی

جسکو خدا سے شرم ہی وہ ہی بزرگ دیں
جسکو کسی کی شرم نہیں اسکو کیا کہوں
دنیا کی جس کو شرم ہو مرد شریف ہی
فطرت میں وہ رذیل ہی دل کا کثیف ہی

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے
دنیا طلبی میں ہی یہ ہنگامۂ و شور
اسکے لئے کون سر بکف ہوتا ہی
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہی

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہی
گو جسم میں ظاہرا توانائی ہو
بے غیرت و بے دلیل ہو جاتی ہی
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہی

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
شدت سے اُسے علیل پایا میں نے

افسوس سفید ہو گئے بال ترے
تو زلفِ بتاں بنا ہوا ہی ابتک
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
دنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال ترے

ہیں وعدۂ خالق دو عالم سچے[۱]
اے منکر دیں قیامت آنی ہی ضرور
قرآن سچا رسولِ اکرم سچے
کہدیں گے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچے

[۱] یہ صیغۂ جمع چاہیئے۔

جب واقعات اصلی پیش نظر نہ آئے
شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے
نیچر نے کی گذارش رخصت ہوں میں یہیں سے

ایسے بھی ہیں خلق جنکو فرعون کہے
ایسے بھی جنھیں محمد و عون کہے
میں نام بنام مٹتے کہتا اکبر
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے
لطف حسن بتاں دل خواہ بھی ہے
سب قطع نظر ہے مشکل لیکن
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اڑ جائے
مطلب کی کہوں تو پالسی میں اڑ جائے
باقی سر قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اڑ جائے

اعلیٰ مقصود چاہئے پیش نظر
کوشش تری گو ہو لطف ذاتی کیلئے
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا
شیریں کیلئے کہ ناشپاتی کیلئے

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے
خالص طاعت عروج روحانی ہے
توہین اکدوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

آگاہ ہوں معنی خوش اقبالی سے
واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اے اکبر
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

ایمان حواس حق پرستی کیا ہے
یہ غفلت و کفر و جوش مستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور
یہ مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

جینا تھا جس قدر ہمیں دنیا میں جی لئے
ساغر کسی طرح کے ملے اور پی لئے

غم بھی رہا خوشی بھی تحیّر بھی فکر بھی
جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

طاقت وہ ہی با اثر جو سلطانی ہی
اُسجا ہی چمک جہاں زرافشانی ہی
تعلیم وہ خوب ہی جو سکھلائے ہنر
اچھی ہی وہ تربیت جو روحانی ہی

انسان چاہے جو بات اچھی چاہے
بدیوں سے محترز ہو۔ نیکی چاہے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب
جس کا مطلب ہے۔ کر وہ جو جی چاہے

پاکیزگیٔ نفس کی دشمن مے ہے
انساں کو خراب کرنیوالی شے ہے
شیطان کی ہے پرائوٹ سکریٹری
مسلم اور اس کو منہ لگائے ہی ہی

یہ دربار ہے خالق دو جہاں کا
ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالے
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

اوہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سہیے
بندوں کی نہیں خدا کے ہو کر رہیے
ہے پیش نگاہ جلوۂ ارض و سما
سبحان اللہ جوش دل سے کہیے

چیخے۔ چلائے۔ کودے۔ اُچھلے ٹہلے
ہر پھر کے وہیں رہے جہاں تھے پہلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اُس سے بدتر
یوں منہ سے جو جس کے دل میں آئے کہلے

غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر
بڑی مایوسیوں کے ساتھ اکثر کام چلتا ہی
یہ روشن ہی کہ پروانہ ہے اسکا عاشق صادق
مگر کہتی ہی خلقت شمع سے پروانہ جلتا ہی

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نور طبع پایا نہ گیا
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

پیسنز یعنی قطعات

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجکو بادہ صافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
شغل یہی ہے دل کو کافی
خیر اب دیکھئے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے
بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا
برچھا اور دنگل دیکھا
اُس جنگل میں منگل دیکھا
عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری
نور کی موجیں لیمپ سے جاری
پانی تھا ہر پمپ سے جاری
تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
کچھ چہروں پر زردی دیکھی
دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
زرّیں جھولیں نور کا عالم
ان کا چلنا کم کم تھم تھم
میلوں تک وہ چھم چھم چھم چھم

پُر تھا پہلوئے مسجد جامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع
روشنیاں تھیں ہر سو لامع
سب کے سب تھے دید کے طامع

سُرخی سڑک پر کٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چوکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی
خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا
ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
میرا حصہ دور کا جلوا

اوج برٹش راج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا
پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رُخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہونچے پھاند کے سات سمندر
حکمت و دانش اُن کے اندر
تخت میں انکے بیسیوں بندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت مُلاقی ان کا
محفل اُن کی ساقی ان کا
چرخ ہفت طباقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

ہم تو اُن کے خیر طلب ہیں
انکے راج کے عمدہ ڈھب ہیں
ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
سب سامان عیش و طرب ہیں

اگزبیشن کی شان انوکھی
ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی

اقلیدس کی نایابی جو کھی
من بھر سونے کی لاگت سو کھی

جشن عظیم اس سال ہوا ہے
روشن ہے اک ہال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کوچہ و برزن
طائر ہوش تھے سب کے پرزن
ہال میں ناچیں لیڈی کرزن
رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آکے یکایک
محو تھا ان کا اوج سما تک
زریں تھی پوشاک جھکا جھک
چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوج فلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی
اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
بزم عشرت صبح تلک تھی

کی ہے بندش ذہن رسا نے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے
کوئی مانے خواہ نہ مانے
جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقل مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا
گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
برا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا
مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست انکی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا
ذرا چھیٹے دیجئے اُن کو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا
چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا
عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
انھیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا
ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دور گردوں میں
عجب کیا ہے کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا
قیامت کر گئی قومی ترقی گوش مسلم میں
لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا
اگر آں شاہد مغرب بدست آرد دل مارا
بچشم مست او بخشم تسبیح و مصلیٰ را
مصلے کو غرض تہ کر کے اُٹھا عابد مشرق
جو طاقت آ گئی تھی دل میں اس طاقت سے للکارا

ادھر تحریر اُدھر اسپیچ ادھر سازش ادھر شورش
اسے جھڑکا اسے ڈانٹا اسے گانٹھا اسے مارا

نتائج پر نظر کب مرد عاشق تن کی ہوتی ہے
وہ سمجھے ہیں نئی اک قوم کا بن جاؤں گا دارا

دو روزہ پالیسی نے اسطرف سے تقویت دیدی
ادھر بجنے لگا فتح و ظفر کا پھر تو نقارا

ڈنر عہدے. تبسم مثنوی وعدے بنے گیسو
وہ گیسو جس سے پھیلی بوئے مست عنبر سارا

حواس ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
کجا موہوم حوریں اور کجا پریوں کا نظارا

وہ ٹوٹے یہ گرے وہ پھسلے یہ چت انکو غش آیا
نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دل میں ضبط کا یارا

حریفان طرب آگیں نے چھیڑا ساز عشرت کو
بجایا سب نے مضراب ہوس سے دارا دارا

بتوں کے عشق میں بڑھی جکڑ تھے عقل پر پتھر
مسوں کا بے تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں. دردمندوں. بیکسوں کے دل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ جس سے موم ہو خارا

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رُکے یاران خودآرا

زبان حال سے فریاد تھی یہ اہل تمکیں کی
کہ اے نظم جہاں را حافظ و اے عرش را دارا

فغان زیں سحر فن دلکش مسان آفت ایماں
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رخ پر چلے دھارا

وہ پر دیکنے بڑے حامی تھے طاعت کے مؤید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبد مذہب
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بہنے لگا دھارا

مناسب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا

ادھر شیرازۂ قومی کہ ہم ہیں توڑتے جاتے
اُدھر بازی حریفوں کی ہے ہاتھ اُنکے ہی پوبارا

نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روز روشن میں
فلک نے سرکشوں کو خاک ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
بجھا کر نور دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا

بہت ہی غفلت و ترک عمل دنیا میں ہے مانا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیئے پیارا

مدار خیر خواہی ترک مذہب پر نہیں ہرگز
ہر اک نے دل سے انگلش کی ہی لاٹھی[1] کا دم مارا

[1] خیر خواہی ۱۲

نہ تھا یہ مطلب سارا کہ اسمٰعیل کافر ہو
حریفانہ نہ ہو انداز مطلب تھا یہی سارا

جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائیں گے تو کیا ہوگا
خدارا اک نظر اس سین کا کرتے تو نظارا

صلوٰۃ بے وضو سے رو رہی ہے اس طرف مسجد
ادھر قرآن بے رغبت ہے دل مذہب کا سیپارا

مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی
ادھر ہیں بے جھلے کندے ادھر ہے برق و شرآرا

خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنی
یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خودبین و خودآرا

کہیں اطفال ناداں ہیں کہیں پیران بے طاقت
یہ غوطے کھاتے ہیں فقرے میں آتا ہے وہ بیچارا

یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں
یہ نفس مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب امارا

یہ کس کل کے بنیں گے جزو کھو کر اپنی ملت کو
اگر ہاں اپنے بیانوں میں ملائے کوئی بنجارا

ہمارے حکمراں تو چرچ میں سرگرم طاعت ہیں
تو ہم بندے پھریں کیوں دشت بیدینی میں آوارا

عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں
زمانے کو ہے گردش ہم بنیں ثابت سے سیارا

ہوالاول ہوالآخر یہ شہد روح پرور ہے
پھرو آزاد ہو کر یہ ہے بالو کا شکر پارا

بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقش جانفزا دل پر
کہ روحانی ترقی میں ہو لڑکا عرش کا تارا

بہت فکر اسکی ہے دن رات گو قومی بزرگوں کو
مگر کمزور یہ موجیں ادھر غفلت کا ہے دھارا

میں یہ پیچیدہ بحثیں پیش کرنے کو تھا آمادہ
کہ اتنے میں جناب حضرت حافظ نے للکارا

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمّا را

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا

جو اعتدال کی کہئے تو وہ ادھر نہ ادھر
زیادہ حد سے دئے سب نے پاؤں ہیں پھیلا

ادھر یہ ضد ہے کہ لمنیڈ بھی چھو نہیں سکتے
ادھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا

ادھر ہے دفتر تدبیر و مصلحت ناپاک
ادھر ہے وحی ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلےٰ و فرقت لیلےٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا ہے نور دل بندگان خدا
یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو
اگر یہ کہوں ہیں وہ بالکل وحوش تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیٹوش
جب ایڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل تو کی قوم نے یاد رب جلیل
کمی کی نہ اسٹیٹ نے خرچ میں دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں
وہ جنرل کہ دبتی تھی جن سے زمیں ہیں گرجا میں راکع مع الراکعیں
ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک گرے سجدے میں پیش اللہ پاک

سر بادشاہان گردن فراز
بدرگاہ او بر زمین نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا
نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں اتحاد دیں فقط باقی رہا تھا اب گیا
ہے عقیدوں کا اثر اخلاق انساں پر ضرور اُس جگہ کیا خیر ہوگی وہ اثر جب دب گیا
پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا
منقلب ہوتے ہیں پیہم طالب العلموں کے کورس کورس بھی رخصت ہوا اس کا زمانہ جب گیا
اتحاد معنوی اُن میں برائے نام ہے دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا
بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو جو اُٹھا بہر ہلاک ملت و مشرب گیا
اس سے نفرت انکو ایسی مستقل تازی زباں حیف! مسلم سے خیال مبنی و معرب گیا
مجلس دنیا میں کس صفت کے ہونگے مستحق دور ہوا ولاڈ سے اور پرتو یا رب گیا
ذکر ہی کے باب میں وہ پالسی قائم نہیں ہوش میں آؤ وہ زنگ رُو زرنگ شب گیا

ہم یہی کہتے ہیں صاحب سوچ لو انجام کار
دوسرا پھر کیا ٹھکانہ ہے اگر مذہب گیا

اک لعبت چیں کو لندن سے جو بیاہ کے لائے مقاعیلن
احباب نے تیر مطاعن سے اُنکے دل کو مجروح کیا

باپ انکے یہ بولے کشتی مری اللہ ڈبو دی ہائے غضب
اس لڑکے نے صحبت بد پاکر یہ کار ابن نوح کیا

تعلیم کو میں نے بھیجا تھا تزویج کی اسنے ٹھہرائی
ممدوح تو بننا بھول گیا بس اپنے تئیں منکوح کیا

لڑکے نے جواب میں عرض کیا اے قبلہ و کعبہ سنیئے تو
یہ کون برائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا

مسان خود فروش آخر فرستادند ایں ملہا
طلب کردند زر چندانکہ خوں افتاد در دلہا

نشاط طبع برہم شد شکست آں رنگ محفلہا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ادھر بے علم دیں ہے نور ایماں قلب سے زائل
ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہے دل مائل

ادھر ہے نوکری دشوار چکر میں ہے ہر سائل
شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل

کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

نہ قید شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد
نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نیک ہے یا بد

بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ پڑھ قانون سر سید[1]
بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہاں کی پیش بینی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر
مقیم دیر تھے دلچسپ تھی بزم بت کافر

نہ تھا کچھ پاس ایمان دل کی تھی مد نظر خاطر
ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جو ہونا چاہتا ہے بدر بن جا ماہ نو حافظ
نہ کر آرام رہ راہ طلب میں تیز رو حافظ

لگائے رہ اُسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ
حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ

متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا

آئینہ لفظ خدا ہے بیسیوں مفہوم کا
اور ازاں جملہ مرادف ہے یہ نامعلوم کا

[1] اگرچہ اختلاف حرکت قافیہ اساتذہ کے یہاں ہے مگر یہاں میں سر سید سے قافیہ نہیں ملا سکا ۱۲

سب کا حصہ قوت و حالت کے لائق ہے یہاں
بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں مقسوم کا

پیر و مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا جوبن پیدا

وہ تو پیدا نہوا ہاتھ سے لڑکوں کے مگر
ہو چلے دین کی دیوار میں روزن پیدا

پستیٔ قوم کے جب آ گئے دن اے اکبر
اونچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا

دین کیا چیز ہے شیرازۂ قومی ہے فقط
جس سے ملت کی ہے اک صورت مستحسن پیدا

آج ہوتا نہیں اس کا ضرر انکو محسوس
ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا

بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت
کر چلیں گی روشیں نشتر و سوزن پیدا

صورت برگ خزاں دیدہ پھرینگے اڑتے
نہ بہار آئے گی پھر ہو گا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل
ہونگے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا

کاہ کیطرح سے اڑ جائیں گے دینی اعمال
اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا

ظلمت جہل سے گھر جائینگے دل کے اطراف
سینوں میں ہو نہ سکیں گے دل روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہو دل سے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفت ولسن پیدا

کون کہتا ہے تکلف سے نکر زیست بسر
کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ،
کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں
تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ گھروندا نہیں نیشن کہ بنا لیں لڑکے
فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے نیشن پیدا

سلف رسپکٹ کا پھر یاد رہیگا نہ سبق
پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو و من پیدا

بزم تہذیب سے ہو جائینگے قطعاً خارج
حس ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو شیون پیدا

بیشک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں
انسان کے لئے کرسچین ہو جانا

یزداں کا خیال تو دلاتا ہے وہ دین ہے کفر صریح اہرمن ہو جانا
مرشد کہتے ہیں تو ہے ناداں ای دوست بات اور ہے صاحب سخن ہو جانا
میری چالیں بھی ہیں اسی کی تمہید سکھلاتے ہیں پہلے سیدھن ہو جانا
ساکت کر دیگی ان کو حب ذی علمی آسان ہوگا ادھر وطن ہو جانا

سنہ ۱۸۷۷ء

سید سے آج حضرت واعظ نے یہ کہا چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا
سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الہ الخ کا
ہے تجھ سے ترک صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا
شیطان نے دکھا کے جمال عروس دہر بندہ بنا دیا ہے تجھے حب جاہ کا
اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا
افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر کیا جانیے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر گذرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا
وہ آب و تاب و شوکت ایوان خسروی وہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا
آئے نظر علوم جدیدہ کی روشنی جس سے مجلی ہو نور رخ مہر و ماہ کا
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا
نوخیز دلفریب گل اندام نازنیں عارض پہ جنکے بار ہو دامن نگاہ کا
کرکے اگر تو ہنس کے کہے اک بت حسیں دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا
اسوقت قبلہ جھک کے کروں آپ کو سلام پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا
پتلون کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دھن بندھے سودا جناب کو بھی ہو ٹرکی کلاہ کا
ممبر یوں تو بیٹھ کے گوشے میں اے جناب سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

گرمی بحث میں آزر نے یہ اکبر سے کہا کہ رہ احمد مرسل پہ تو قائم نہ رہا

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں
بادۂ جہل کی بس آگئی مستی تجھ میں

نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح
بحر عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح

سخت ناعاقبت اندیش ہیں شیخ و ملّا
قوم برباد ہوئی جاتی ہے کھلم کھلا

کہا اکبر نے یہ الزام ہے بے شبہ درست
تو ہی مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست

کبر و تزئین و تجمل سے تجھے ہے بس کام
دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام

طاعت حق کی ترے قافلے میں گرد نہیں
نفس سرد نہیں ہے دل پُر درد نہیں

ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں خامی کی طرف
ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف،

تو بھی اُس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم
صادق آتا ہے یہی قول شہید مرحوم

اے صبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوئے آں زلفِ چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ سنہ ۱۸۶۶ء

اے گوہر مخزن ظرافت
وے جوہر معدن لطافت

سرمایۂ انبساط خاطر
تسکین دل و نشاط خاطر

دیباچۂ دفتر فصاحت
عنوان صحیفۂ بلاغت

خلاق معانی طرب خیز
کشاف رموز عشرت انگیز

ہادی و ادیب و دانش آموز
گوہر افشان و گوہر اندوز

زینت دہ شاہد تکلّم
آئینۂ خندہ و تبسم

سرچشمۂ قول و وعظ و گفتار
گنجینۂ وعظ و پند و اسرار

اے فخر دہِ زبان اُردو
وے اوج دہ نشان اردو

رنگینی میں غیرت گلستاں
شوخی میں حریف برق تاباں

کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ
محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

دن رات یہی ہیں اب تو چرچے — پرچاتے ہیں دل کو اسکے پرچے

ہے خلق خدا قتیل اس کی — حاسد کا حسد دلیل اس کی

معقول مزاح ہے تو یہ ہے — شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے

ہر چند کہ زجر نیشتر ہے — گو نشترۂ طعن نیشتر ہے

لیکن وہ قند میں گھلا ہے — یہ آبِ حیات میں دُھلا ہے

وہ شربت حفظ عقل و ایماں — یہ مردہ دلوں کو ہے رگِ جاں

بگڑے ہوئے بن گئے ہنسی میں — حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں

ہر کس کہ بدید گفت خوب است — باللہ مفرح القلوب است

رندوں کی زباں میں پند دلخواہ — سبحان اللہ واہ وا واہ

ہر چند کہ طرز ہیچ لندن — بے شبہہ ہے دل پسند و پُر فن

لیکن وہ نقش اولیں ہے — نسبت اس سے اُسے نہیں ہے

ماشاء اللہ یہ نقش ثانی — بہتر ہے بصورت و معانی

وہ پیر معمّر و کہن سال — یہ خیر سے نونہال اقبال

وہ اک گل صد بہار دیدہ — یہ غنچۂ تازہ نو دمیدہ

مولود سعید مریم طبع — عیسےٰ دم و گوہر تم طبع

لطف شام اودھ ہے اس سے — روشن نام اودھ ہے اس سے

اک نور ہے مہر لکھنؤ کا — اختر ہے سپہر لکھنؤ کا

وہ سرد برنگ آتش گل — یہ گرم بسان آہ بلبل

بحث مضمون میں وہ اگر ہیچ — یہ حل نکات میں ہے سر پیچ

واں بانڈئے ناز سست بنیاد — یہاں خامۂ نیزۂ چمن زاد

کیسا خامۂ زبانِ معنی — کیا ذکر زبان کہ جانِ معنی

اُٹھنے میں نگاہِ چشم جادو — پچلنے میں حریف تیغ ابرو
مفتاحِ خزینۂ تصوّر — نقّاش نگینۂ تصوّر
کہنا اسے شمع کب روا ہے — اوصاف میں شمع سے سوا ہے
وہ چہرہ نمائے بزم صورت — یہ پردہ بر افگن حقیقت
ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے — تاہم سرگرم گفتگو ہے
رعنا و لطیف و شوخ و بیباک — سرگرم و حریف و چست و چالاک
مشاطۂ شاہدِ معانی — بانی بنائے خوش بیانی
پیچیدگیوں میں حرف زن ہے — شانہ کش گیسوئے سخن ہے
آزادی کا فخر اُسے اگر ہے — یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے
یعنی کہ وہ مطلق العناں ہے — بے قید ہر ایک سو رواں ہے
واں طبع کو زورِ لاتخف ہے — دقت توجہے وہ اسطرف ہے
زنجیر خرد کی پائے بندی — باقاعدہ شرح دردمندی
تارِ نظرِ حسود بدکیش — ہر گام پہ مثل دام در پیش
کوتہ نظران پست فطرت — سرگرم شرارت و عداوت
واں شاخ شجر پہ ہے ترانہ — یاں دیدۂ دام آشیانہ
کیونکر نہ ہوا دعائے اعجاز — کھولے ہیں قفس میں بال پرواز
کی سیر دو عالم اک نفس میں — پھر دیکھئے تو اُسی قفس میں
دریا قطرے میں موجزن ہے — غنچے میں بہار صد چمن ہے
ہے نوک سناں پہ نقش پرواز — رقصاں دم تیغ پر بصد ناز
شعلوں کے ہجوم میں سمندر — امواج میں ماہی توی پر
کیا کثرتِ خار سے خطر ہے — یاں دوش نسیم پر سفر ہے

پابندی کا کب ہے یاں تاسف / یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف

جلوہ ہے وہی وہی تجلّی / شوکت ہے وہی وہی تعلّی

پابند جو یوسفِ سخن ہے / پھیلی ہوئی بوئے پیرہن ہے

ہر رنگ میں ہے بہارِ معنی / ہر لفظ ہے پردہ دارِ معنی

ہر نقطہ ہے نکتۂ بصیرت / ہر حرف ہے کاشفِ حقیقت

صرصر کے جور سے بری ہے / یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے

وہ دہر فلک سے منفعل ہے / یاں روشنیٔ دماغ و دل ہے

دریوزہ گری پہ اسکی اوقات / یہاں قطب صفت ثبات و ذات

جن سے آسیب کا تھا کھٹکا / اُن دیوؤں نے خوب سر کو پٹکا

غالب تھا اثر میں اسم اس کا / ٹوٹا نہ کبھی طلسم اس کا

ہوتے نہ جو رشک سے وہ بےچین / حساد بھی صاد کرتے بالیقین

سُنئے اک اور نکتۂ خوب / آزادیٔ گفتگو ہے معیوب

لاتا ہوں دلیل شاعرانہ / دیکھو قدرت کا کارخانہ

منہ کے اندر زباں جڑی ہے / دانتوں کے حصار میں پڑی ہے

بتیسؔ جوان سخت طینت / اِستادہ ہیں مائلِ اذیت

ہیں مثلِ سفید دیو بیباک / طامع جابر حریص سفاک

حد سے جو بڑھے زبانِ گفتار / دوڑیں اُسے کاٹنے یہ خونخوار

پہلو میں جوان کے ہمنشیں ہو / وہ نوکِ خلال سے حزیں ہو

کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر / دانہ پستا ہے اِن میں آکر

لوہے کے چنے کہاں سے لائیں / سختی کا انھیں مزا چکھائیں

اِس قید میں جب کہ یہ زباں ہے / آزادیٔ گفتگو کہاں ہے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل
لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل

مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی
محدود ہوں شوخیاں زباں کی

دل میں جو آئے بک نہ جاؤ
ہشیار چلو، بہک نہ جاؤ

دریائے خیال موج زن ہے
وقفِ یزداں و اہرمن ہے

ہے شارع عام حق و باطل
ناظر اس کی ہے فکرِ عاقل

گذرے جو خیال بد بلا کد
بازوئے خرد سے بس کر و رد

باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو

خاموش بس اے زبان خامہ
منظور نظر ہے ختم نامہ

ہر چند یہ عالم سخن ہے
یاں فیض ازل ضیا فگن ہے

ہر گوشے میں وسعت فلک ہے
ہر ذرّہ میں مہر کی چمک ہے

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
اِک اِک میں گل سخن ہزاروں

ہر برگ گل سخن میں سو رنگ
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ

نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں
حیرت ایسی کہ نورِ عرفاں

ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں

ہر خم میں شراب ارغوانی
یعنی رنگینئ معانی

اِک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز
سینہ بن جائے مخزن راز

وہ راز کہ دل ہو محو مستی
مائل ہو سوئے سخن پرستی

ہو طول جو سلسلہ سخن کا
ہمسر ہو زلف پر شکن کا

پر طول بیاں سے فائدہ کیا
اس صرف زباں سے فائدہ کیا

بس بس اب روک لے زباں کو
کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو

ہو کر آمادہ جان و دل سے
ہو محو دعا زبان و دل سے

جب تک ہے رباعی عناصر　رنگینیٔ نقش لوحِ خاطر
جب تک کہ یہ نظم بیت ہستی　موزوں ہو برائے خود پرستی
جب تک ہے مسدس جوانب　برہان مشارق و مغارب
جب تک کہ ہے روح کا لطیفہ　انفاس کا ہر نفس وظیفہ
یہ پرچۂ دل فریب و زیبا　ہو مونس جان ناشکیبا
تحریک سے مس کو زر بنائے　ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے
ہر جاسے میں لاجواب نکلے　ہر رنگ میں انتخاب نکلے
ہو سوزِ دل یگانہ و غیر　بن جائے چراغ کعبۂ و دیر
جبتک کہ اثر ہے کاف و نون کا　مفتوں ہو ہر ایک اس فنون کا
پروانہ اسے چراغ سمجھے　بلبل دیکھے تو باغ سمجھے
خورشید کا نور ہیں طرف ہو　ذرّوں کی کشش انہی طرف ہو
اے حافظ و خالق او دھ پنچ　خوشدل رہیں عاشق او دھ پنچ
اپنی اپنی مراد پائیں　دیکھیں جب دل کو شاد پائیں
ہر مشتری بلند فطرت　پائے دور قمر میں رفعت
محتاج ہو سیم کا نہ زر کا　مورد ہو بلندی نظر کا
احباب جو اس کے ہیں معاون　عالی منشان نیک باطن
ظراف و مصنف لطائف　طبّاع و مصور کو ائف
سرسبز ہوں گلشن جہاں میں　خرّم پھریں باغ و بوستاں میں
رنگین طبعی سے گل کھلائیں　چشم بدبیں کو خوں رلائیں
پیدا ہوں وہ گوہر مضامیں　دریا کے ہو لب پہ شور تحسیں
بیساختہ بول اٹھیں سخنور　اللہ رے طبع و فکر اکبر.

(اودھ پنچ - سبحان اللہ سبحان اللہ)

گفتمش تارک مذہب شوم و خوش باشم
منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند

خلق را فائدۂ نیست ازیں جنگ و جدال
یک دو عاہست دریں محفل و دشنامے چند

گفت خاموش کہ دیں است مدار ملت
ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند

عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

سنہ ۱۹۰۷ء

برق کلیسا

رات اُس مس سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار
ہائے وہ حُسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار

زلف پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مُرید
قد رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سنکر جسے بلبل جھپکے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتش حسن سے تقوے کو جلانے والی
بجلیاں لطف تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسن بیاں شوخی تقریر میں غرق
ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق

پس گیا لوٹ گیا. دل میں سکت ہی نہ رہی
سر سے تمکین گئی جسم میں وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اسوقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشن فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے
بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بنکر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بنکر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں توپ سے اُڑ جاتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں
پائیں سامان اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیوں کر کہ یہ ہیں نیک نہاد
ہے ہنوز ان کی رگوں میں اثر حکم جہاد

دشمن صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی ،
کامیابی کی دل زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذت جاں راحت روح
اب زمانے پہ نہیں ہے اثر آدم و نوح

شجر طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالد جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوش سپاہ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

جوہر تیغ مجاہد ترے ابرو پہ نثار
نور ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار

اُٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحث بد و نیک
دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک

موج کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
میں تو تہذیب میں ہوں پیر مغاں کا شاگرد

مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جاں نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلماں نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحب فہم
تو نکالو دل نازک سے یہ شبہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

ڈال دے جان معانی میں وہ اُردو یہ ہے
کروٹیں لینے لگے طبع وہ پہلو یہ ہے

ایک بوڑھا نحیف و خستہ و زار
اک ضرورت سے جاتا تھا بازار

ضعف پیری سے خم ہوئی تھی کمر
راہ بیچارہ چلتا تھا جھک کر

چند لڑکوں کو اُس پہ آئی ہنسی
قد پہ پھبتی کمان کی سوجھی

کہا اک لڑکے نے یہ اس سے کہ بول
تو نے کتنے کو لی کمان یہ مول

پیر مرد لطیف و دانشمند	ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند
پہونچو گے میری عمر کو جس آن	مفت مل جائے گی تمہیں یہ کمان
میں نے اکبر سے کہا آپ ہے حجری بس کرے	اس چٹائی پہ نمازیں پڑھیں حسب دستور
چھوڑیئے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید	کاٹ ہی دے گا کسی طرح خدا و ند غفور
بولا جھنجھلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر	اسکی نسبت کہ میں کالج میں ہوں احمق مشہور
انگلش ڈریس انور کا جو کل بزم میں دیکھا	اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیّر	تبدیلیٔ صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا	شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بیگانہ و وحشی ہو گی عزیزان وطن سے	بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں چھوڑ کے گھربار
فاتح سے مساوات کی اٹھیں گی امنگیں	وہ زیست جو آسان تھی ہو جائے گی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے	اک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
آخر کو رہو گے نہ ادھر کے نہ ادھر کے	انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار
انور نے کہا صلِّ علیٰ واہ بہت خوب	شک اس میں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن جو یہ تفہیم ہے حضرت کے سخن میں	اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی	وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جس میں ہوں ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور	اسکے بھی بجا ہونے کا مجھ کو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق	فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہو گا نہ زنہار
اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے	رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہے جس کو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور	ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی	یا ہیٹ ہو اور کوٹ ہو یا جبّہ و دستار
شبہ ہو جسے اس قول کی صحت میں اگر ہو	سن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

حاجت بہ کلاہ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

سنہ ۱۸۹۵ء

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر

بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر

عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر

بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگیں تاباں ہو کر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہو کر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبرؔ پھول پتوں میں نہاں ہو کر

قطعہ

میں نے کہا بہت سی زبانیں ہوں جانتا
مدت تک امتحاں دئے امتحان پر

جرمن۔ فرنچ۔ لیٹن و انگلش پہ ہے عبور
ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر

اک شوخ طبع مس نے دکھائی زباں مجھے
بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسمان پر

بولی رہو گے زیست کی لذت سے بے خبر
قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر

ہوئی جو مجھ سے یہ فرمائش بہت طناز
کہ فن شعر میں تو آج ہے بہت ممتاز

لگا دے اس پہ کوئی مصرعۂ حسین و نفیس
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

کہا یہ میں نے کہ ہے قیدِ حسن و خوبی کی
تو سن یہ شعر نشاط آور و نگاہ نواز

پہن لے سایہ مری جاں اتار کر پشواز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

ناخوش جو ہوا میں اپنی بے قدری پر
اک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مس
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر
مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں
نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے میں نے جسکو زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلی کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کرلے ایم۔ اے۔ پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلےٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بنجاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچنداس
دل اپنا خوں کرنے کو ہوں موجود
نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلی
تو استعفا مرا باحسرت و یاس

اگرچہ پولیٹکل بحث میں ہوئے ہیں شریک
جناب پنڈت بجے چند و بابو آشوتوش
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس میں
سمجھا گئے ہیں یہ مضمون سید ذی ہوش
رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مس سیمیں بدن سے کرلیا لندن میں عقد
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسل قوم
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
دلمیں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو
سوپ و کاری کے مزے لو۔ چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے ملکے دیکھو اُن کے انداز و طریق ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو انسے تاش
بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش
جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا جس سے تھا دلکی حرارت کو سراسر انتعاش
سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش جادو نظر یاں جوانی کی امنگ او انکو عاشق کی تلاش
اسکی چتون سحر آگیں اسکی باتیں دلربا چال اسکی فتنہ خیز اسکی نگاہیں برق پاش
وہ فروغ آتش رخ جس کے آگے آفتاب اسطرح جیسے کہ پیش شمع پروانے کی لاش
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق بلا دست سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش
دونوں جانب تھا رگوں میں جوش خون فتنہ زا دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال حضرت سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۲۰۔ اگست ۱۸۹۱ء مقام کانپور

بٹھائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کبتک بنے رہوگے تم اس ملک میں میاں کبتک
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کبتک
میاں سے بی بی ہیں پردہ ہے انکو فرض مگر میاں کا علم ہی اُٹھا تو پھر میاں کبتک
طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کبتک
عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کبتک
جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس چھپیں گی حضرت حوا کی بیٹیاں کبتک

جناب حضرت اکبر ہیں حامی پردہ
مگر وہ کبتک اور انکی رباعیاں کبتک

وہ سودیشی سخنگوئے شیریں مقال جو انگریزی شاعر تھا اک ہمپال

بفرمایش دختر بالتمیز — کہ رکھتا تھا جسکو وہ دل سے عزیز
لکھی اسنے یہ نظم اک لاجواب — دکھائی ہے شکل روانیٔ آب
جو بہتا ہے پانی میاں لوڈور — اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے — مقفے کیے ان کے سب سلسلے
یہ جمعیت افعال کی خوب کی — کہ درسی بھی ہے اور دلچسپ بھی
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانی دریائے فکر — کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہے نہیں ان کی اس پر نظر — کجا میں کجا سودی نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق — ادھر تو ہے یہ کچھ اور یہ طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط وضبط
موانع یہ ہیں جنسے ڈرتا ہوں میں — مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں
جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا — غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
یہ بنتا ہوا اور وہ تنتا ہوا — ٹپکتا ہوا اور چھنتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رُکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں کے روزن زمیں کے مسام — یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام
اِدھر پھوٹتا اور پچکتا اُدھر — رُخ اس سمت کرتا کھسکتا ادھر
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا | وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا | یہ لہروں کو پیہم کھنچاتا ہوا
ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا | اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا | بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ | وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا | تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
ادھر گونجتا گنگناتا ہوا | ادھر خود بخود بھنبھناتا ہوا
لپٹتا ہوا اور چمٹتا ہوا | یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
سماتا ہوا اور پلٹتا ہوا | سرکتا ہوا اور ملتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا | اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا | دباتا ہوا اور بچتا ہوا
پھسلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا | لچکتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا | وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا | ہر اک سے برابر اُلجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا | ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
لرزتا ہوا تلملاتا ہوا | بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا | نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
اُچکتا ہوا اور اُترتا ہوا | اُٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا | زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا | وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا | وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا دندناتا ہوا — اُمنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا — سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا — حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا — شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا
یونہیں الغرض ہے یہ پانی رواں — بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودے کا سیلان آب لو دور
یہ بحرِ خیالاتِ اکبرؔ کا زور

برق و بخارات کا زور ہے عظیم — کب ہے پئے روح رہِ مستقیم
تار پہ جاتے نہیں اہلِ نظر — ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح — بے علم ہے اگر تو وہ انساں ہے ناتمام
بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم — نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام
تعلیم اگر نہیں ہے زمانہ کے حسب حال — پھر کیا امید دولت و آرام و احترام
سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا — ڈالی بنائے مدرسہ لیکر خدا کا نام
صدمے اُٹھائے رنج سہے گالیاں سہیں — لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام
دکھلا دیا زمانہ کو زورِ دل و دماغ — بتلا دیا کہ کرتے ہیں یوں کرنیوالے کام
نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی — کالج ہوا درست بصد شان و احتشام
سرمایہ میں کمی تھی سہارا کوئی نہ تھا — سید کا دل تھا درپئے تکمیلِ انتظام
آخر اُٹھا سفر کو وہ مردِ خجستہ پے — احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام
قسمت کی رہبری سے ملی منزلِ مراد — فرماں روائے ملکِ دکن کو کیا سلام
حالت دکھائی اور ضرورت بیاں کی — خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام
رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی — پھر کیا تھا موجزن ہوا دریائے فیضِ عام[1]

[1] اصل کھو گئی ہے لڑکوں کی غلط نقلوں سے کے بعض اجزا باہم بہم پہونچے انسے یہ نقل لکھی گئی۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۸ء

ہا ہا نہ دو ہزار کیا ایک ہزار سے
اُمید سے زیادہ عطا تھی یہ لاکلام

اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں
تا حشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام

کیا وقت پر ہوئی ہو کہ بے احتیاج فکر
تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظام

کہا کسی نے یہ سید سے آپ لے حضرت
نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں [۱]

نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہیں مدد
نہ فاتحے کے طریق ادا کو مانتے ہیں

نظر تو کیجئے اس بات پر جو ہیں ہندو
بہ صد خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں

بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے
وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں

کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
بہ دل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں

خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیان پاکیزہ
وہ اہل بیت کو اہل عبا کو مانتے ہیں

وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیان کرام
فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں

مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں

پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں

جواب اُنھوں نے دیا ہم ہیں پیرو قرآن
ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں

سند ہماری ہے ایاک نستعین اے دوست
اُسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں

اُسی کا نام زباں پر ہے حیّ اور قیوم
اُسی کی قدرت بے انتہا کو مانتے ہیں

یہ بوئے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
نو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں

جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر
ہم اُنکے قول درست و بجا کو مانتے ہیں

ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر
خدا کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوت فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں
آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

[۱] سید صاحب نے انسٹیٹوٹ گزٹ میں نظم مندرجۂ بالا کی تعریف چھاپی ہے۔

جل کے بولا کہ اے خرد دشمن
سن لے مجھ سے یہ معنیٔ روشن

فیصلے سے طالب وصال اچھا
یا اندھیرے میں پائمال اچھا

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی
ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں

یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو
ہے نشو و نما پولیٹکل آب و ہوا میں

اک بات تعجب سے مگر میں نے سنی تھی
کل رات کو اک انجمن ذکر خدا میں

اسپیچ ترقی میں تو آندھی سی ہے یہ فرقہ
لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں

ادھر ہے قوم ضعیف و مسکیں ادھر ہیں کچھ مرشدان خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

گئی رگ اتحاد ملت دلاں ہوئیں خون دلی ہو جیں
ہم اسکو سمجھے ہیں آب صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے الحاد اٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دیں سے ہم گذر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا سینہ پڑے ہیں کچھ دانہائے تیریں
اسی پہ مائل ہے طبع شاہیں نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں

اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی تخیلی یہی بلا ہے
خیال میٹر کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں

مگر وہاں کی بنا ہے نیشن یہ کام ہے ملحد کا ایریشن،
نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں

یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں وہی عزت سبت ہے،
یہاں مساجد اجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جناب اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

چو اشارہ کرد ناصح کہ بیا و بشنو از من
ہمہ طرز حیلہ جستن ہمہ فن ساز کردن

گہ امیر گبر بودہ بہ یہود عہد یاری
گہ امین دیر بودہ بہ حرم نماز کردن

بخرابی عزیزاں ہمہ امتیاز جستن
بمراد غیر بودہ ہمہ عیش و ناز کردن

نظرے فگند چشمم بہ حقارتے بہ رویش
کہ حرام باد دستے سوئے تو دراز کردن

ہمہ اول تو دیدم ہمہ آخر تو دیدم
نہ خوش است شرح احوال و بیان راز کردن

تو بہ خویشتن چہ کردی کہ با کنی نظیری / بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں / روشن تر اس سے کونسی شے ہے خیال میں
لیکن نہیں وہ کچھ بھی موثر پس از غروب / لازم ہے غور کیجیے اس مسئلہ پہ خوب
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا / گوشہ بھی اٹھ سکیگا نہ شب کی نقاب کا
پوجو گے اس کو تب بھی وہ پھیرا نہ جائیگا / اُس کو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی / تحقیق کی نظر جو کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحب اوج کمال ہو / کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو
جب کر گیا جہاں سے وہ ملک عدم کو کوچ / پھر اُس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و پوچ
قیوم و حیّ ذات ہے اللہ کی فقط / زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
سُن لو کہ اتباع و ادب اور چیز ہے / مطلب کی لیکن اُن سے طلب دیگر چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن / تب یہ بولے مجھ سے مسٹر مارلیسن
گو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور / مجھ سا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر / ہے یہی تو جس کو روتا ہے بشیر
آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے / اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفل ناداں غریق غفلت ہوا کئے ذلت میں تن رہے ہیں / سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں
بہار ہی سی نہیں ہے واقف خزاں کی ظلموں کو کیا وہ سمجھیں / یہ داغ تو ہیں انھیں کے دلپر جو محو رنگ چمن رہے ہیں
نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے / انھیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں
یہ آخری صف میں آگئے والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے / محل حسرت ہیں انکے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں
رہے ہیں جو برگ و خس کے خوگر انھیں ہو کیوں خار انکا منظر / نگاہ تو ہے انھیں کی مضطر جو مست سرو و سمن رہے ہیں

بہت خفا تھے مسائل دیں کہ ہو رہی ہے ہماری توہیں
اب انکو منطق سنا رہی ہے وہ سر جھکائے ہیں سُن رہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کیطرح چھن رہے ہیں

مزے کا جشن تھا کل اک شراب خانے میں
کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلماں ہیں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ
میں نے کہا قائل میں تصوف کا نہیں ہوں
کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
کہنے لگے آ جائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
کہنے لگے بس اسکی یہی حد ہے کہ تھک جاؤ
میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا
کہنے لگے تم جانب مے خانہ لپک جاؤ

میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
کہنے لگے شعر اُسکے جو سُن لو تو پھڑک جاؤ

کر چکا ختم جب میں اسپنسر
مجھ پہ پڑنے لگی ہر اک کی نگاہ
پوچھا اُستاد نے کہ سمجھے بھی
ان دقائق نے دلمیں کی کچھ راہ
کہدیا میں نے اس کا کل مطلب
صاف ہے لا الٰہ الا اللہ

ماسٹر نے کہا تو کو دن ہے
حق پکارا کہ واہ اکبر واہ

سنا کہ چند مسلماں جمع تھے یک جا
خدا پرست خوش اخلاق اور بلند نگاہ
کہا کسی نے یہ اُن سے کہ یہ تو بتلاؤ
تمہاری عزت و وقعت کا کس طرح ہے نباہ
نظر کرو طرف اقتدار اہل فرنگ
کہ انکے قبضہ میں ہے ملک و مال و گنج و سپاہ
اُنھیں کا سکہ ہے جاری یہاں سے لندن تک
اُنھیں کے زیر نگیں ہے ہر اک سفید و سیاہ

کلیں بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھ کر جن کو
زبان خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
تمھارے پاس بھی کچھ ہے کہ جس پہ تم کو ہے ناز
کہا اُنھوں نے کہ ہاں لا الٰہ الا اللہ

نہ وہ بک رہ گئے نہ سر سیّد
ذات محمود سے تسلی تھی،
بولی عبرت کہ ہوش میں آؤ
مٹ گیا نقش احمد و محمود

دل احباب سے نکلتی ہے آہ
لی اُنھوں نے بھی آج خلد کی راہ
اے حریصان شان و شوکت جاہ
رہ گیا لا الٰہ الا اللہ

بنام ایڈیٹر رسالۂ ید بیضا

علم اسرار دل و حل معما داری
برتر از نظم دکن نظم ثریا داری
تو چہ حاجت بہ جمال سخن ما داری
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں میں اب تعلیم انگلش رک نہیں سکتی
کسی کے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
وہ زلزلہ رک نہیں سکتا یہ جنبش رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھے ہونگے لیکن یہ بھی خواہش رک نہیں سکتی

مذاق قوم بیگانہ ہو اللہ اکبر سے
یہ نقش جانفزا مٹنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہل یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
خانساماں نے کان میں یہ کہا
پڑھیے کوئی دعائے اکل طعام
تب یہ اشعار حضرت سعدی
اے کریمے کہ از خزانہ غیب

کھچھی سیّد نے ایک دن کاری[1]
آپ تو علم سے نہیں عاری
دین سے بھی رہے وفاداری
ہوئے اُن کی زبان پر جاری
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم،
تو کہ با دشمناں نظر داری

[1] مطلب یہ کہ ہم کیوں نہ ٹینگ اور کاری وغیرہ نعمتیں ہوٹل میں کھائیں ۱۲

نظم مذہبی حسب فرمایش ایڈیٹر دکن ریویو برائے نیشنل انتھم شروع ۱۹۰۰ء

جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی
سمجھتے ہیں جو قرآں کے معانی
خدا کا ان پہ ہے لطف نہانی
سنا ہے میں نے یہ انکی زبانی

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

سرورِ قلب و حرزِ جاں ہے اسلام
جہاں میں باسر و ساماں ہے اسلام
معین شاہی و شاہاں ہے اسلام
ابھی تک حافظ ایماں ہے اسلام

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

مساجد میں وہی شور اذاں ہے
وہی جوشِ دلِ اسلامیاں ہے
وہی اللہ اکبر بر زباں ہے
وہی رت ہے وہی اب تک سماں ہے

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مُہر و نشان است

دلوں میں ہے خدا کی یاد اب تک
بہت ہیں صاحب ارشاد اب تک
طبیعت ذکر سے ہے شاد اب تک
بہت ہیں باغ دیں آباد اب تک

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

عیاں ہے پرتو روئے محمدؐ
رواں ہیں قافلے سوئے محمدؐ
مشام جاں میں ہے بوئے محمدؐ
وہی ہے رونق کوئے محمدؐ

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

دلوں میں کیوں تمھارے ہے یہ خامی
ابھی تک یادِ حق ہے دل کی حامی
نہیں فطرت میں کچھ بد انتظامی
سنو یہ نغمۂ اُستادِ جامی

ہنوز آن ابرِ رحمت دُرفشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

یہ برٹش سلطنت کے ہیں عواطف
کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف
کہ کہتی ہے نگاہِ چشمِ عارف

ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

رسول اللہ کو دُنیا نے مانا
زبانوں پر ہے اب تک وہ فسانہ
نہیں اسلام سے خالی زمانا
سنو اکبر کا یہ قومی ترانہ

ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

خدا علی گڈھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف و خوش وضع چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم
طبیعتوں میں ہے اُنکی جودت لباس اُنکے ہیں نیک سادے

کمالِ محنت سے پڑھ رہے ہیں کمالِ غیرت سے بڑھ رہے ہیں
سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے

ہر اک ہے اُن میں کا بیشک ایسا کہ آپ اُسے جانتے ہیں جیسا
دکھائے محفل میں قدِ رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے

فقیر مانگے تو صاف کہدے کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سارا یہ کل کھلا دے

بتوں سے اُنکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
تمام قوت ہے صرفِ خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے

نظر بھی آئے جو زلفِ پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالیسی ہے
الکٹرک لائٹ اسکو سمجھیں جو برق وش کوئی مسکرا دے

نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنامِ تہذیب و درد مندی
یہ کہکے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمھیں خدا دے

اُنھیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصلِ کارِ دیں ہے
اسی سے ہوگا فروغِ قومی اسی سے چمکینگے باپ دادے

مکان کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انھیں تجربہ نہیں ہے — خبر نہیں ہے کہ آگے چلکر ہے کیسی منزل ہیں کیسی جادے
دلوں میں انکے ہے نور ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں — ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہو بجھا دے
فریب دیکر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب — مٹا دے آخر کو وضع ملت نمود ذاتی کو گو بڑھا دے

یہی ہے اکبر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس انکو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

سنہ ۱۸۹۰ء

ترجمہ قول یکے از اکابر یورپ

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے — یہ کیوں غیظ و غضب جور و جفا ہے
نہیں ہے اسمیں جھگڑے کی کوئی بات — یہ اک قول حکیم با صفا ہے
نہو مذہب میں جب زور حکومت — تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفا ہے

بلبل ہیں آج ہم چمنستان کمپ کے — پروانہ کل بنیں گے کلیسا کے لمپ کے
فکر بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی — اب پارک کا خیال ہے چرچ ہیں ہمپ کے
رکھتے تھے جو بزرگ قدم پھونک پھونک کر — خوگر ہوئے ہیں لیپ کے اسٹپ کے جمپ کے

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے — تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے
جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے — نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے
کوئی انمیں ہے جو ایسا کہ جو دون کی ہے لیتا — جو اسے بھی چھیڑ دیکھا تو وہ کمتر از کھرج ہے
جو کہ آئے سیر لندن ہیں اسیر کبر و فیشن — جو یہیں گئے ہیں بن ٹھن انھیں اینڈ ہے گرج ہے
نہیں کوئی صاف سینہ بہم انمیں بھی ہے کینہ — یہ انھیں کہیں کمینہ وہ انھیں کہیں اتج ہے
کہیں میم کا ہے پھندا کوئی دخت رز کا بندہ — ہے پھر اس پہ ناز و خندہ کہ دل اسمیں کیا حرج ہے
پائی ہیں قومیں تجارت سے عروج — بس یہی اُن کے لئے معراج ہے

ہے تجارت واقعی اک سلطنت
زور یورپ کو اسی کا آج ہے

لفظ تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

تمہاری اصل خدا کا کلام واضح ہے
عبث یہ ولولۂ نقلِ قومِ فاتح ہے

سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے
وہی ہے باعث عزت عمل جو صالح ہے

نہ ہو جو مذہب و ملت کیساتھ ہمدردی
زمانہ صاف کہیگا کہ ہے یہ نامردی

اُنھیں کے واسطے مے کا سرور زیبا ہے
اُنھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے

اُنھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے
مرے لئے فقط امید حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے
گلوں میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے

رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بشوق
کہ نائب شہ لندن کی آمد آمد ہے

وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقام قیصر ہند
ستاروں میں مہ روشن کی آمد آمد ہے

ہیں انکے ساتھ میں اتنے اکابر یورپ
کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے

غرض یہ ہے کہ ہو تکمیل زینت و رونق
ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے

کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی
ادھر سے نل اُدھر انجن کی آمد آمد ہے

دکھا رہے ہیں ہنرمند خواب مقناطیس
دلوں میں حالتِ روشن کی آمد آمد ہے

اُمنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے فراوانی
ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے

ورود فوج سے ہے زرق برق کا عالم
جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے

چمک ہے کرچ کی ہر سو کمک ہے توپوں کی
چھما چھم اور دنا دن کی آمد آمد ہے

چہل پہل ہے اُمنگیں ہیں جوش مستی ہے
بہار عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

جو پیر ہیں انھیں ہیں ولولے جوانی کے — جوان ہیں تو لڑکپن کی آمد آمد ہے
تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا — معان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے
گرہ میں زر نہیں اور ٹیم ٹام لازم و فرض — اسی سبب سے مہاجن کی آمد آمد ہے
اُبھارے رکھتا ہے اکبر کے دل کو فیضِ سخن — اگرچہ پیری و پنشن کی آمد آمد ہے

آمدِ اقبال پری

اقبال پری آئی جو انداز بدل کر — دنیا کی ہوا ساتھ ہوئی ساز بدل کر

غزل زبانی اقبال پری

ہوں ناز سے معمور حکومت سے بھری ہوں — زریں مراد امن ہے میں اقبال پری ہوں
ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بے نور — کہتا ہے کہ ہوں بھی تو چراغ سحری ہوں
ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو — ہر رنگ میں ہیں مست مئے جلوہ گری ہوں
انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکم خدا سے — شاہنشہ ایڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

مبارکباد پنچ کی طرف سے

قوم انگلش کو یہ دربار مبارک ہووے — لارڈ کرزن سا یہ سردار مبارک ہووے
ہو مبارک شہ انگلینڈ کو تخت و دیہیم — مجھکو یہ طبع گہربار مبارک ہووے

نصیحت اخلاقی

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے — ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی — نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں — کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق — اسکا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار — مائل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے
سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو — وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہے

برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہی بھرا
اسمیں نہ ہی فریب نہ کچھ مکر و زور ہے

انکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے معین ہی اہلِ شعور ہے

راضی ہے اُس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبتِ بد سے نفور ہے

کسبِ کمال کی ہے شب و روز اسکو دھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے

لیکن جواں صفات کا مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہی خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظم قومی حسب فرمائش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانوں بتاؤ تو تمھیں اپنی خبر کچھ ہے
تمھارے کیا مدارج رہ گئے اس پر نظر کچھ ہے

اگر کچھ ہی تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہی
حریفوں کی تعلی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمھیں معلوم ہی کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں

تمھیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
تمھیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمھاری قدردانی کرتے تھے دل سے

تمھاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمھاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آنیں تھیں

تمھارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمھیں تم تھے زمانہ میں تمھاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمھارا اتفاق باہمی دیوارِ آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا

تمھاری ہمتوں کا عرشِ اعظم پر نشیمن تھا
تمھارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی
طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نظر میں مظہر نور حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہر شان جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ ذوق ہنرمندی نہ شوق علم و فن باقی
نہ وہ حسن عمل باقی نہ اب وہ حسن ظن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوش حب یاران وطن باقی

جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

غضب ہے حب اسلامی سے خالی سب کا سینا ہے
بس اپنی ہی غرض کیواسطے ہر اک کا جینا ہے
حسد ہے ناتواں بینی ہے بے مہری ہے کینا ہے
یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینا ہے

کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم بے غرض الفت
جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہ اک مرض الفت

میں تم سے کیا کہوں اسوقت دل پر کیا گذرتی ہے
طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے
تصور دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
خلش سینے میں ایسی ہے کہ وہ بےچین کرتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے / کلام خوش کلاماں رنگ با معنی بدلتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے / مگر شوق عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارون صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے / میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
اپنی حالت کے مطابق چاہیے طرز عمل / اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے
اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں / پاس گو بیٹھے تھے لیکن انکے دل سے دور تھے

ہوائے الحاد رنگ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے / جو بات بگڑی ہے وہ کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے
ہمیں نے در اس ہوا کا کھولا کیا اسے جب کوئی بولا / ہمیں ہے خود اب تردد اسکا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزت قوم پر نظر ہے / نہ نیستی سے واسطہ رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے
جو پیشوا خود ہوئے ہیں مدشر تو کیا ہے رنگ وعظ مذہب / قلوب قبطیاں کی تبع میں زبان قرآں یہ چل رہی ہے
کریں جو بین با خبر ہیں ہر جا نہیں ہے جن میں اسکا چرچا / ہمیں نے سمجھا ہے عہد اسکو اسی سے نسل چل رہی ہے
جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اسپر بلا یہ طاری / ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہے سنبھل رہی ہے
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو / ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
خدا کی نعمت ہیں بانکی صید ان جیسی نہیں ہیں ہماری شایاں / بلائیں آئیں ہیں اور آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے راز سوز حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کرے گی جو گور سید پہ جل رہی ہے

چاہا جو ہم نے انسے طریق عمل پہ وعظ / بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجیے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں ایسے ہمیں جو آپ / خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم / تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجیے

؎ حال کی تحقیق تصنیف علماء یورپ بخصوص انسان کے باب میں لائق ملاحظہ ہے جسمیں ڈارون کی غلطی بیان کیگئی ہے مصنف

یورپ میں پھریے پیرس و لندن کو دیکھیے
تحقیق ملک کاشغر و شام کیجیے

ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن
خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے

پیران بیفروغ کا گل ہو چکا چراغ
ناحق نہ دل کو تابع اوہام کیجیے

رکھیے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف
متروک قید جامۂ احرام کیجیے

الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے
ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے

رہیے جہاں ہیں سست مشرب نیکنام
مجھ کو مرید ہندوؤں کو رام کیجیے

رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر
دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے

سامان جمع کیجیے کوٹھی بنا لیے
باصد خلوص دعوت حکّام کیجیے

آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے
تزئین طاق و سقف و در و بام کیجیے

یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیے
موقع ملے تو شغل مے و جام کیجیے

چشم و لب بتاں سے بھی غافل نہ ہو جیے
تکمیل شوق پستہ و بادام کیجیے

نظارۂ گلستاں سے تر و تازہ رکھیے آنکھ
تفریح پارک میں سحر و شام کیجیے

مذہب کا نام لیجیے عامل نہ ہو جیے
جو متفق نہ ہو اُسے بدنام کیجیے

طرز قدیم پر جو نظر آئیں مولوی
پبلک میں ان کو مورد الزام کیجیے

زنجیر فقہ توڑیے کہہ کر خلاف شرع
مضمون لکھیے دعوئ الہام کیجیے

ممنوع ہے تعدد ازدواج جتا کر
یوں گھوم پھر کے تنقیۂ عام کیجیے

قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور
اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجیے

لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل
فکریں پئے وظیفہ و انعام کیجیے

تحصیل چندہ کیجیے لڑکوں کو بھیجکر،
سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجیے

بے رونقی سے کاٹیے کیوں اپنی عمر کو
کیوں انتظار گردش ایام کیجیے

جو چاہیے وہ کیجیے بس یہ ضرور ہے
ہر انجمن میں دعوئ اسلام کیجیے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہی اُٹھ گئی
ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے

اس کا سبب نہیں ہی سوا اسکے اور کچھ
یعنی کہ اُٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہی

اُسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی
کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہی

کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اُنکے
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہی

نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز
دیا ہمنے ہر صیغے کا امتحاں ہی

وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہی
یہاں جتنی انگلش ہی سب بر زباں ہی

کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اس میں نہاں ہی

نہیں ہی تمھیں کچھ بھی سیّد سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہی

طبع سمجھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے
زلف الٹی خوش ہی کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہی

وہ ہے نافہم یہ عیار محل ہے نازک
اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہی

دار داں آفت جاں حسن و جمال عجبے
چشم مست عجبے دارد و خال عجبے

او بتاراج دلم مایل و من مایل او
او بہ فکر عجبے من بہ خیال عجبے

۱۸۷۰ء کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ پھر یاں کوئی شئے رہ نہیں جاتی
وہ شوکت و شان جم و کے رہ نہیں جاتی

یورپ کی ترقی کا چمکتا ہے ستارا
توقیر عرب عظمت کسرے رہ نہیں جاتی

دلکش نظر آتا ہے بہت لفظ نومبر
تزئین رخ بہمن و دے رہ نہیں جاتی

گڈبائی کا غل مچتا ہے اطراف جہاں میں
تسلیم نہیں رہتی ہر سجے رہ نہیں جاتی

عالم کو لبھاتی ہیں پیانو کی صدائیں
بلبل کے ترانوں میں وہ لے رہ نہیں جاتی

آہنگ طرب کیلئے چھڑتے ہیں نئے ساز
دم سازی احباب کو نئے رہ نہیں جاتی

زندوں سے بدل جاتی ہیں ساقی کی نگاہیں | وہ گردش پیمانہ وہ سے رہ نہیں جاتی

ہوتی ہے بہت سخت یہ منزل مگر اکبر
ہمت ہو تو پھر ناشدنے رہ نہیں جاتی

مواقع خاص

سنہ ۱۹۰۷ء حسب فرمائش پنچ

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی ہر بَرڈ[۱] کا　　ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہر ورڈ[۲] کا
زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظم برطانیہ　　سکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرت اڈورڈ کا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا　　اب بھروسہ حضور پر نہ رہا
مجھ کو چھوڑا اِمام باڑے میں　　پہونچے خود نیچری اکھاڑے میں
جیب خالی پھرا کیا بندہ　　لے گئے غیر اِسقدر چندہ
راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا　　کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا
بزمِ قومی ہیں میں شریک ہوا　　جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا
آپ پر بار صرف داڑھی ہے　　یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے
جب حکومت کرے خود اسکا ڈفنس　　کیوں نہوں میں شریک کانفرنس
مجھ کو ہے شوق علم و دانش سے　　کیوں میں رُکتا پھر اپنی خواہش سے
نہ ہو تسکین وہ جو یہ توضیح　　تو میں کر دونگا دوسری تشریح
مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف　　دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف
دفتر اعتراض سوختہ بہ　　دہن او بہ چندہ دوختہ بہ
سُن رہے تھے سماع مولانا[۳]　　اسی حالت میں انتقال ہوا
واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت　　عالمِ وجد میں وصال ہوا
ہزار و نہ صد و شش از جہاں رفت　　بیامد یک ہزار و نہ صد و ہفت

ممدوحِ خاص و عام ہیں لالہ نہال چند　　در اُنکے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند

۱ طائر ۲ لفظ ۳ مولانا محمد حسین صاحب سنہ ۱۹۰۶ء

چندے وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت
لیکن دقیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس
تقریر رنٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا

سب کرتے ہیں مباحث قرآن و دید و ژند
اس وقت میں جناب ہی ہوتے ہیں دردمند
قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبہ گزند
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

۱۹۰۷ء آغاز تشریف آوری میں کہا گیا تھا

خلاف حق چو حریفان زراہ میگردند
زفیض حکمت او رو براہ میگردند

مکرم است بہ ہندوستان شہ کابل
بتاں بہ گرد حبیب اللہ میگردند

موت جلدی میری مشت استخواں کو سونگھ کر
چونک اٹھا اکبر غرض خواب گراں سا دیکھ کر

یہ سمجھنا چاہیئے خالق نے جو صحت یہ دی
بہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بعلالت ۱۹۰۵ء

حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دلریش
رکھتے تھے عزیز اُن کو بیگانہ و خویش

کیا کیا صفتیں تھیں جمع اُنمیں اکبر
حافظ[1]، حاجی، طبیب عالم، درویش

طلعت لسنے چوں فرستادی زراہ لطف و مہر
جوش زد از دل سرور و لطفہا اندوختم

بسکہ شوق دعوت وا اسپیچ در دل داشتم
محفلے ترتیب دادم شمعہا افروختم

خادم خاص از مے آورد نت فتہ بریل
نصف شب در انتظارت دیدہ بر در دوختم

چوں شنیدم رنج کردی عزم رفتی بیدریغ
شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سیّد جلال الدین طہرانی اڈیٹر حبل المتین

تھا باعث الم مرض جانگزائے قوم
مدت سے سن رہی تھی علیگڈھ میں ہائے قوم

آخر اودھ نے کالج طبی بنا لیا
شکر خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

ملال کا تو محل اے[1] حضور کچھ بھی نہیں
خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں

بڑے ہی لطف و کرم لائیے یہاں تشریف
الہ آباد علی گڈھ سے دور کچھ بھی نہیں

[1] مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی ۱۲

محبت آپ کی ہے میرے دل میں مستحکم
میں صاف لکھتا ہوں یہ مکر و زور کچھ بھی نہیں

وہ امر آپ کی جانب سے میں یہ سمجھا تھا
یہ چاہیے کہے کہ تجھ کو شعور کچھ بھی نہیں

بندشن کے تصنع سے مجھے ساز نہیں
ہوں جو بے شغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں

گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہے خراب
پر کھلے ہیں مگر اب طاقت پرواز نہیں

ڈپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُسنے شملے میں
برہمن نے کہا یہ شاخ بید اور ایسے گملے میں

کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اس درجہ حیرت ہے
تمہارے واسطے یہ کیا محل رشک و غیرت ہے

تعجب کیا ہے ہم اس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے بیٹھے ہیں

برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
ابھی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں

کہا مہدی نے ہمکو تو غرض ہے اپنے مطلب سے
محبت ہو نہ ہو انکو امید اس کی یہاں کب ہے

برہمن نے کہا ایسا فزا اعضا کا مضعف ہے
کہا مہدی نے ہاں اس بات سے بندہ بھی واقف ہے

وفات سر سید مرحوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں

کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں ای اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

سنہ ۱۹۰۶ء

دیکھی جو نمائش چکاگو
دل نے کہا دین سے کہ بھاگو

اتنے میں اجل پکاری سر پر
بس ہو چکا خواب زیست جاگو

شروع سنہ میں ہے آئی وینگا دال تم اپنی ماتکو یہ لکھ چکے ہو
تو دیر پھر کیوں لگا رہے ہو یہ کیا تامل ہے کیوں کے ہو

مجھی کو سمجھو تم اپنا قبلہ سر ادب کو یہیں کرو خم
وہاں کے حرچو نہیں لطف کیا ہے جبیں اٹھانیکو تم جھکے ہو

علم باری میں یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر میں تو کچھ زیست کی امید نہ تھی

سنہ ۱۹۰۵ء میں مصنف کو باری سے تپ آئی تھی

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار سجا ضلع الہ آباد ۳۰ دسمبر ۱۹۰۵ء[1]

عمدہ مچھلی مسلم و خام ملی
تحفہ پایا مراد جنّدام ملی

ممنون کریم کیوں نہوں لے اکبر
وہ دام میں لائے مجھ کو بیدام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ انکو شدید آئی
چھپا کے گئے بیماری مدّت میں شفا پائی

لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے
حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے

میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت
وہ اسکو سمجھتے ہیں لاحول ولا قوۃ

یہ میری غلط بندش وہ اُنکی غلط فہمی
میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلی
بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی

تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات
کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات

حاضر جو کچھ ہو دال دلیا
سمجھو اُس کو پلاؤ قلیا

شبلی کا قلم علم کی منزل پہ جا ہے
رفتار پہ آزر کی قدم اُسکا تھا ہے

چمکی ہوئی ہے بزم سلف اسکے بیاں سے
روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہے جو رہ کے جی بھر آتا ہے
یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے

یہ خون ہوگئی کیوں میرے دلکی رنگینی
یہ داغ دینے لگی کیوں چمن کی گل چینی

اُداس ہوگئی کیوں روح خانۂ تن سے
اُجاڑ ہوگئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے

بحمد اللہ کہ حاصل آپ کو ہر اک نعمت ہے
ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے

علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا
عزیز و دوست جو ہیں سبکو اس سے اک مسرت ہے

گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر
اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر و عزت ہے

پئے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا
مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقت رخصت ہے

مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسہ رخصت
حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے

بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے
یہی سب کی دعا اسدم بصد جوش طبیعت ہے

[1] ڈاکٹر سلیمان جونپوری۔ بیرسٹر ایٹ لا ۱۲

زباں پر سب کے جاری ہو یہ شعر حضرت اکبر	کہ جن کی نظم پر نظم ثریا کو بھی حیرت ہے

عطا کر قسمت تصنیف سعدی یارب اس گل کو
پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہوکر

گو دل بیتاب امید وطن پر شاد ہے	شاق لیکن فرقت منشی جگن پرشاد[۱] ہے

سنہ ۱۹۰۲ء

خوش پھر رہی ہے خلق خدا صبح عید ہے	ہر سمت زیب و زینت دنیا کی دید ہے
ہے جشن تاجپوشی قیصر بھی آج ہی	یہ اتفاق باعث لطف مزید ہے
بازار دہر پُر ہے متاع سُرور سے	بامنفعت فروخت ہے دلکش خرید ہے
کشتہ ہے کوئی طرز مس خوش خرام کا	کوئی نگاہ ناز بُتاں کا شہید ہے
صوفی کی انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں	لطف نوائے مطرب و نذر مرید ہے
مست اپنے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دوست	اظہار جوش طبع بہ طرز جدید ہے
ڈالی کسی نے بھیجی ہے حکام کے حضور	بیتاب دل میں شوق صدور رسید ہے
جنکے سبوے دل میں ہے کچھ مایۂ نشاط	اُس سے شراب طول امل کی کشید ہے
مجھ کو خموش دیکھ کے پوچھا یہ چرخ نے	تو بھی اس آب رنگ سے کچھ مستفید ہے
میں نے کہا کہ حالت عشاق ہے کچھ اور	پروانہ ہو وفا کی یہ اُن سے بعید ہے
پیش نظر ہمارے ہے شام شب فراق	اس کی جو ہو سحر تو ہماری بھی عید ہے

لندن کو چھوڑ لڑکے اب ہند کی خبر لے	بستی رہیں گی باتیں آباد گھر تو کر لے
راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کرکے چلدے	اپنے وطن کا رُخ کر اور رخصت سفر لے
انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ ناپی	دینی طریق میں بھی اپنے قدم کو دھر لے
نیچر پکارتا ہے ہے اصل نسل تیری	کہتی ہے ہسٹری بھی بس جا اور اپنا گھر لے
واپس نہیں جو آتا کیا منتظر ہے اس کا	ماں خستہ حال ہولے بیچارہ باپ مر لے

[۱] آگرہ سے تبدیلی کے وقت ۱۲

مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ / پیرانِ مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

میں بھی ہوں اک سخنور آسن کلام اکبر
ان موتیوں سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے / جو صف ہے وہ سلک دُر ہے
سب کو یاد استاد کا گُر ہے / دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری / بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
دس من تیل کی فکر ہے طاری / چندے کی تحصیل ہے جاری

قوم پر غالب کورٹ کے عملے / عملے ٹھہرے پارک کے گملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے / کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی / خوب کھلی ہے برج میں ہولی
رنگ میں ڈوبی ہے سب کی چولی / سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مِس کی / خوب پئے اب شوق سے وہسکی
اگلی دنیا دھر سے کھِس کی / بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے / جاڑوں کا موسم کھوسلے پھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے / چندہ دے کر پھنسنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں / بعض نمود و نام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں / کم ہیں فیض عام کے خواہاں
مدعیان رونق دیں ہیں / لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
واقف فن و ہنر سے نہیں ہیں / کم ہیں اُن میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے / ان باتوں سے ہونا کیا ہے
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے / شور زمیں میں بونا کیا ہے

دیکھ کے اک باضابطہ بھبکی
آپ نے سب کی دولت ہپ کی
دنیا آپ کی جانب لپکی
بزم جسمانی خالی گپ کی

یہ وادی ہے طور سے خالی
یہ جنت ہے حور سے خالی
یہ محفل ہے نور سے خالی
پاس سے خالی دور سے خالی

دیکھتا ہے اک عمر سے بندا
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا
بس یہی باتیں اور یہی پھندا
لاؤ چندہ لاؤ چندا

سید کا جو عہد کہن تھا
حسب ضرورت طرز سخن تھا
اس سکے کا ٹھیک چلن تھا
وقت وہ اور تھا اور ہی رن تھا

بگڑا دیکھا بیٹا بھتیجا
دل کہتا ہے بات کو پی جا
ایک کا جہلم ایک کا تیجا
ساکت ہو دکھلا کے نتیجا

بھائیوں پر منھ آئے جانا
اگلا قصہ سنائے جانا
گائے گیت کو گائے جانا
اُترا ڈھول بجائے جانا

بیٹھے روتے ہیں جن کے لڑکے
دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے
دوڑتے ہیں بنگلوں پر تڑکے
مار نہ بیٹھے کوئی بگڑ کے

کیوں رنگ حق پوش میں آؤ
مذہب کے آغوش میں آؤ
غیرت پکڑو جوش میں آؤ
غافل بندو ہوش میں آؤ

ایک انگریز نے بات یہ کہدی
اُس بازی کی ہمیں نے شہ دی
جس نے ترقی وہ دی یہ دی
کیسے سید کیسے مہدی

گرمیوں میں بچوں کو تھکانا
اور اُس پر یہ بات بنانا
شہروں شہروں بھیک منگانا
مفلس لڑکوں کا ہوگا ٹھکانا

آپ کہیں معیوب نہیں ہیں
ہم کو تو مرغوب نہیں ہیں

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے
ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے

اس سے بگڑتی ہے قومی حالت
کہتے ہو ہو گی جو یہ جمعیت
جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت
ہوگا میل بڑھے گی الفت

تڑپو گے جتنا جال کے اندر
کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر
جال گھسے گا کھال کے اندر
غور کرو اس حال کے اندر

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی
مفت میں بچوں کو کرکے براتی
ان کی فکر تو کی نہیں جاتی
قوم کی گاتے ہیں بھائی وفاتی

کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے
لیکن یہ ارشاد خرد ہے
دل میں ضد ہے نہ کوئی کد ہے
بھائی ہر شے کی اک حد ہے

آزادی کی پی کے برانڈی
گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی
آپ چلاتے ہیں ڈنڈا بازی
مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی

بزم عزا میں کیوں نہ ہو شرکت
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت
جس سے ہو دل میں پیدا عبرت
قلب کو جس سے ہو پہنچے فرحت

یہ بے معنی مجلس کیسی
یہ بے حکم کی آفس کیسی
یہ ناحق کی گھس گھس کیسی
بات یہ سٹرم پوئیس کیسی

ہوگیا عقل میں کون اضافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ
خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ
پایا بس خوش رنگ لفافہ

قوم سے اس کی گاڑھی کمائی
اور وہ یوں بے سود گنوائی
آپ نے فقرہ دے کے اڑائی
شاد لندن تیری دہائی

دوڑاؤ تدبیر کے ریشے
صناعی کے چلاؤ تیشے
قوم میں پھیلیں فن اور پیشے
تاکہ کٹیں افلاس کے بیشے

تم ہو فکرِ جاہ میں اُلجھے
نافہموں کی واہ میں اُلجھے
شہرت و شان کی چاہ میں اُلجھے
دل کیوں کر اللہ میں اُلجھے

خالق کی توحید سکھاؤ
مُلحد کی تردید سکھاؤ
عقبیٰ کی تمہید سکھاؤ
روحانی امید سکھاؤ

مذہب کی تعلیم زبانی
مُلّا خود جو نہ ہو حقانی
طوطا مینا کی ہے کہانی
پھر تو مکتب ہے شیطانی

جب ہوں گروجی خود البیلے
راہ پر آئیں کیونکر چیلے
خوب رچائیں میلے ٹھیلے
مندر میں کیوں جائیں اکیلے

اگوا خود جب حق سے ہو غافل
ساتھی کیوں نہ چلیں رہِ باطل
دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل
کیونکر دین ہو اُن کو حاصل

جس نے خیمہ یہاں پر گاڑا
لیکن قوم کو کیوں ہے پچھاڑا
اُس کو مبارک ہو یہ اکھاڑا
اس نغمے پہ گلا کیوں پھاڑا

عشرتی گھر کی محبت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہدِ وفا بھول گئے

پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے سوئیوں کا مزا بھول گئے

بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں وہاں
سایۂ کفر پہ انورِ خدا بھول گئے

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

کیسے کیسے دلِ نازک کو دکھایا تم نے
خبرِ فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے

بخل ہے اہلِ وطن سے جو وفا میں تم کو
کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے

نقلِ مغرب کی ترنگ آئی تمہارے دل میں
اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روشِ دینِ خدا بھول گئے

بنام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجیے
اس فصل میں جو بھیجیے بس آم بھیجیے

ایسے ضرور ہوں کہ اُنھیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجیے

معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈریس
سیدھے الٰہ آباد مرے نام بھیجیے

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجیے

مرثیہ

دھرم پور آج کیوں اس درجہ وقف حسرت و غم ہے
یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شور ماتم ہے

الٰہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے
کہ جسکو دیکھیے مغموم ہے با چشم پرنم ہے

یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگ ناگہانی پر
گری برق اجل بے وقت کسکی نوجوانی پر

کنور عبدالعزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
گل باغ ریاست اور ہر اک کی آنکھ کا تارا

اسے دور فلک نے ناگہاں تیر اجل مارا
کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا

تلاطم ہے ریاست میں عزیزوں کا جگر خوں ہے
ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دل احباب محزوں ہے

تماشے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے
ابھی ہے بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے

اُمنگیں تھیں مزے تھے ولولے تھے نوجوانی کے
عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے

ابھی یہ دیکھیے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے
جنازہ اُٹھ رہا ہے اہتمام گور و مدفن ہے

رہو خاموش اکبر شور و فریاد و فغاں تا کے
یہ آہ آتشیں یہ قصۂ سوز نہاں تا کے

سمجھ لو خود تمھیں کب تک غم کی داستاں تا کے
اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تا کے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغ جدائی سے

۲۹۲ ۱۰۲۳ ۱۳۱۵ھ

قصیدہ مبارکباد جشن جوبلی ملکہ معظمہ قیصر ہند دام اقبالہا
حسب ایمائے مسٹر ہاول صاحب جج ۱۸۸۷ء

زمانہ میں خوشی کا دور ہے عشرت کا ساماں ہے
برنگ گل ہر اک باغ جہاں میں آج خنداں ہے

کوئین وکٹوریہ کی جوبلی کی دھوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمۂ عشرت اُدھر نور چراغاں ہے

جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں
بھرا جوش مسرت سے ہر اک مرغ خوش الحاں ہے

بساں بوئے گل ہر اک ہے باہر اپنے جامے سے
نسیم گلشن عیش و مسرت عطر افشاں ہے

چمک کر ہو گیا زیر فلک رشک قمر ہر گھر
یہی سبب ہے کہ جسکا نور رشک مہر تاباں ہے

فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتش بازیاں ہر سو
کواکب مضمحل ہیں دیدۂ افلاک حیراں ہے

کہیں ہے رقص کی محفل کہیں ہے جلسۂ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے کہیں شب چراغاں ہے

کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی پئے فصل زمستاں ہے

اثر جوش مسرت کا ہے ہر ادنےٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرماں روا ہے یا کوئی کم مایہ دہقاں ہے

کوئی ہے محو آسایش کوئی مصروف آرایش
شگفتہ مثل گل چہرہ ہے دل شاداں و فرحاں ہے

تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہل عالم کو
یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل ثنا خواں ہے

سریر آرائی پنجاہ سالہ خیر و خوبی سے
محل لطف باری ہے مقام شکر یزداں ہے

یہی ہندوستاں سب کہتے ہیں جنت نشاں جسکو
کوئن وکٹوریہ کے عہد میں رشک گلستاں ہے

رئیس امن واماں سے ناظر حال ریاست ہیں
ہری کھیتی زمینداروں کی ہے سرسبز دہقاں ہے

کمی بدلی کرے گر قطرہ افشانی میں کیا پروا
کہ فیض نہر داماں زمیں پر گوہر افشاں ہے

نظر سلطان کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
اشاعت علم کی یہ ہے کہ سب کی عقل حیراں ہے

ہزاروں مدرسے قائم ہوئے ہیں سیکڑوں کالج
جہاں فکر ارسطو بھی بس اک طفل دبستاں ہے

جہاں چلتا نہ تھا کچھ زور واں اب ریل چلتی ہے
میسر خاکساروں کو بھی اب تخت سلیماں ہے

نہ کچھ کھٹکا ہے چوروں کا نہ قزاقوں کی ہے دہشت
رواں بے زحمت خوف و خطر ہر سمت انساں ہے

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری
کہ سامان معیشت جنس دل سے بھی اب ارزاں ہے

طلسم تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا
زبان تار پر وہ بات ہے جو دل میں پنہاں ہے

شب تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبال قیصر کا
کہ ہر ذرّہ نگاہ دزد میں مہر درخشاں ہے

رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں
ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے

محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم
گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثال در غلطاں ہے

پریس کو بھی ہے عہد پریس میں کامل آزادی
زبان خامۂ مضموں نگاران سیف برّاں ہے

توجہ ہے مفید عام کاموں کی طرف سب کی
کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے

شفا خانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو
پئے ہر رنج راحت ہے پئے ہر درد درماں ہے

خلوص و صدق دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی
کہ یا رب جب تلک گردش گردوں گرداں ہے

فروغ مہر و مہ سے جب تلک ہے زینت عالم
نشاط انگیز جب تک انتظام باد و باراں ہے

دل اہل جہاں ہے جب تلک مرکز تمنا کا
ہوائے آرزو جب تک محیط قلب انساں ہے

خدا کے نام کی عزت ہے جب تک اہل دانش میں
تجلی علم کی جب تک چراغ راہ عرفاں ہے

ہماری حضرت قیصر رہیں اقبال و صحت سے
کہ جن کا آفتاب عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدا اے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے
خلائق سے تمہیں خوش ان کو تم پر مہرباں رکھے

کرے مملو تمہاری طبع کو رنگیں خیالی سے
تمہارے دفتر دل کو گلستاں و بوستاں رکھے

ہند میں ہیں ہوں مرا تو نظر لندن میں ہے
سینہ پر غم ہے یاں لخت جگر لندن میں ہے

دفتر تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

آں نو نہال خوبی ماہ دو ہفتۂ من
در نو بہار عمرش رفت از فضائے ہستی

پیمانۂ مے غم سرشار و بیہشم کرد
رفتم سر مزارش در بیخودی و مستی

آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہ من
با ایں کمال و رفعت حیف است میل پستی

آخر چہ پیشت آمد اے شمع محفل من — در گوشۂ نشستی وز انجمن گسستی
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونق گلستاں — در موسم بہاراں رنگ چمن شکستی
اے برق وش چہ داری نسبت بگور تیرہ — اے شعلہ رو بخاک تربت چرا نشستی
اے خوش نگاہ واکن چشماں سحر آگیں — چیزے بگو بہ عاشق لبہا چرا بہ بستی
ناگہ ندائے از غیب آمد بگوش جانم — کاے بیخبر ز ایاں اے محو بت پرستی
آں راکہ شعلہ خوانی وآں راکہ برق دانی — آں جملہ بود رنگ نقش طلسم ہستی
آں رنگہا پرید و بویش بماند رازے — رازے کہ کس نداند در بند خود پرستی
عبرت کشود چشم حیرت بہ ہوشم آورد — در سینہ دفن کردم جوش و خروش مستی

تاریخ فوت گفتم در صنعت عجیبے
بوٹا بروں شد اکبر از گرد باغ ہستی
۲۰۹ ۲۰۹ ۱۲۹۳ھ

بیکار جگر ہے مضمحل گردہ ہے — جس دوست کو دیکھئے وہ افسردہ ہے
گو نبض زباں سے زندگی ہو ظاہر — دل کو جو ٹٹولئے تو وہ مردہ ہے

بہتر ہے یہی کہ اب علیگڑھ چلیے — رکیے نہ کسی کیواسطے بڑھ چلیے
جس فن کا ہو درس ہوجیئے اسمیں شریک — جو پیش آئے سبق اسے پڑھ چلیے

مہدی سا بزرگ صاحب جاہ تو ہے — سنجیدہ کلام کے لئے واہ تو ہے
منزل کا اگر پتہ نہیں ہے نہ سہی — دلکش روشیں ہیں دلکشا راہ تو ہے

یہ نظم ایک لمبی تمہید و تحسین کے ساتھ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۰۴ء کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چھاپی گئی میں نے پرائیوٹ خط لکھا تھا۔

مولانا سے کڑوی،

پھرے ایک مولوی صاحب جو کل دربار دہلی سے — یہ پوچھا میں نے کچھ لائے بھی تم سرکار دہلی سے

وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا … اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہار خیال اپنا

ادھر سرخی مُ گلگو کی تھی انڈے کی زردی تھی … ادھر ریش سپید بنی تھی اور شدت سے سڑی تھی

مولانا محو عشق یزدانی تھے … بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے

بھولیں نہ کبھی انھیں محبان رسولؐ … یعنی رجبی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینت عباد جہاں … پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے

للّو پتّو سے الگ اور زوائد سے بری … بس مصلے ہی یہ ہیں چھاؤنی چھانے والے

ساز پر ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ … رہ گئے کھول کے منہ بین بجانے والے

انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب … رعب حاکم دلِ دنیا پہ بٹھانے والے

ریخ کی جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ … اگلے اسلام کے ہیں یاد دلانے والے

دوستوں کیلئے بازو کا ہیں تعویذ جناب … رہزنوں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے

شان اللہ کی ہیں برکت[۲] و اسرار[۳] و مجید[۴] … انکے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے

فیض اُن کا سبب رونق عیش احباب … تاج زرّیں سر عشرت[۵] پہ اُڑھانے والے

۱؎ خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب (۲) مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازیپور۔ ۳؎ اسرار حسین خانصاحب مدارالمہام ریاست بھوپال ۴؎ خان بہادر عبدالمجید خانصاحب مرحوم ۵؎ سید عشرت حسین ۱۲

متفرقات

الف

ترے پرتو سے اے جان جہاں ظلمت میں نور آیا
ترے فیض تجلی سے یہ ذرّوں میں شعور آیا

لطافت کو نہ چھوٹے رنگ تیری شادی و غم کا
ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا

ترا چہرہ ہے منظر چشم شوق نور عرفاں کا
ترا عشوہ ہے مصدر جلوہ ہائے فیض یزداں کا

شباب عمر نے کھویا طمع نے دین لیا
فلک نے ہمسے بڑی نعمتوں کو چھین لیا

ہو سلے دے[له] بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی عنبریں کا
نثار ہونیکی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

تا چند پرسی اے خرد ایں از کجا دیں از کجا
تو از کجائی ایں بگو تا گویمت دیں از کجا

مزے سے زندگی کٹتی جو دل قابو میں آ جاتا
مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آ جاتا

مرتبہ اس سے بھی دنیا میں سوا ہو آپ کا
یاد رکھے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا

نہ ہو یاد خدا تو نور باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل

مسلم جو مثال بزم جم لے تو کیا
سو مرتبہ مر کے وہ جنم لے تو کیا

نہیں ہے رحم قاتل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا
کہاں ہے صبر بسمل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا

ہجوم بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ کا برتاؤ موسم کے موافق تھا حضور
واقعی اسکے اثر سے دل بخوبی رنگ گیا

کدھر ہے رنگ مخالفت اب زمانہ بالاتفاق بدلا
خود اپنے نور نظر کو دیکھو نگاہ بدلی مذاق بدلا

تری ترچھی نظر سے ہم کو ڈر کیا
محبت کی تو پھر دل کیا جگر کیا

اک فلسفہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا

له دے۔ نام ماہ فارسی ۱۲

باہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھ کو پری کا شبہہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہنگام نزع ہوش جو غائب ہوئے تو کیا
اس وقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا

مناسب ہے یہی دل پر جو کچھ گذرے لئے سہنا
نہ کچھ قصہ نہ جھگڑا نہ کچھ سننا نہ کچھ کہنا

تماشہ دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا
اجل کی نیند جب آئے لحد میں جاکے سو رہنا

بُت نہ کہتے ہوں جسے ہے یہ ہمارا بندہ
ہے بھی ایسا کوئی خدا کا پیارا بندہ

اُنھیں غمزوں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیاں مدعا کرنا

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
چشم بد دور آپ کو بجلی گرانا آگیا

سراسر جلوۂ حسن بتاں زلف لیلےٰ تھا
محمل رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا

سمجھے تھے لوگ جسکو ہمارا اُنھیں کا تھا
کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارا اُنھیں کا تھا

اب سانس بھی نہ لیں گے دبائیں گلا وہ کیوں
ہمکو تو زندگی میں سہارا اُنھیں کا تھا

اُٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرّات خاک کو
اے چرخ اوج پر تو ستارا اُنھیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں اُبھرا تھا دل اگر
اسکی خطا نہ تھی وہ اُبھارا اُنھیں کا تھا

خضر سمجھے ہو جسے غول بیابانی ہے
غلط اُمید کے جنگل میں تھکا مارے گا

جانستانی میں نہ چھوڑیگا دقیقہ باقی
دلستانی کے لئے لاف وفا ماریگا

کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہے اسلام کا
نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیال حور سے
کہدو یہ بہتر ہے جھوٹے لسکٹوں کی چور سے

راہ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے
حیف لیلےٰ پہ جو آمادہ کاوش ہو جائے

وہ دست درازیوں سے کب ہے تائب
ہے حافظ دیں پہ شمع فکر صائب

رحمت ہو جو علم دین بھی جائے
گل ہو جو چراغ ابھی ہو بگڑی غائب

عفو کن یارب اگر تقوے نماند بر قرار
دل بہ پہلو ہست و کارم با شباب افتادہ است

چراغ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست
اسی سے چشم بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

ہیں توسنِ بلاغ میں مرے سہم بہت
قومی مجلس میں اب سخن فہم ہیں کم

سنئے یہ خیال جس میں ہے وہم بہت
دربار میں گو کہ ہیں گزٹ فہم بہت

دیکھ کاریگری حضرت سید اے شیخ
بحرِ ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے

دیکھئے لوح و مذہب میں کمائی کی طرح
برف کی طرح جمے بہہ گئے پانی کی طرح

بھروسہ اُن پہ کرکے مجھ کو پچھتانا پڑا آخر
بڑا دعویٰ کیا تھا میں نے شرمانا پڑا آخر

ولولے اُٹھتے ہیں دل میں دیکھ کر ان کا جلال
حوصلے ہوتے ہیں پست اُن کی نظر کو دیکھ کر

مقابل کفر کے تھی وہ نمودِ اسلام کی اکبرؔ
نصاریٰ قبلۂ مقصود ہیں ہندو "برادر" ہیں

مگر اب انقلابِ دہر سے باقی کہاں کافر
زمینِ شعر میں بس رہ گئی زلفِ بتاں کافر

زن زمیں زر تو ہے فساد کا گھر
زنِ منکوحہ و شریف و غریب
ہو جو بس آمدِ زرِ تنخواہ
ہو جو تھوڑی سی باغ ہی کی زمیں

لیکن اتنا کہوں گا اے اکبرؔ
کیا عجب ہے کرے جو امن نصیب
تو نہیں حاجت وکیل و گواہ
تو کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں

شرابِ دولت سے مست ہیں وہ قناعت سے ہم ہیں سرخوش
نہیں ہے کچھ باہمی تعلق وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

سخن شناس سے میں چاہتا ہوں دادِ سخن
سوسائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل بہلے
شرف ہے جبکہ بیرسٹری سے جن کو یہاں
بیاضِ شعر سے مطلب نہیں کلرکوں کو

خوشی کے واسطے کافی ہے مجھ کو واہ فقط
جو کوئی مونس و ہمدم ہے اب تو آہ فقط
مقدموں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہ فقط
رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ فقط

رزق مالیحتاج جب دیدے تجھے اللہ پاک
پالیسی مسلم کی دیکھی اور ہندو کی ترنگ
بیٹھا رہا میں صبح سے اُس در پہ شام تک
دلوں پہ مارتے جاتے ہیں چھاپہ شکسپیر

کر عبادت میں بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک
اُس میں ہے اکثر رکاکت یہ ہے اکثر خوفناک
افسوس ہے ہوا نہ میسر سلام تک
پڑھ گئے حضرت سعدی کی بوستاں کب تک

تھیں سے اُٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ
اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار

تو پھر بقائے نقاب رُخ زناں کب تک
رہو گے منتظر مہر آسماں کب تک

نہ نرے اونٹ ہو نہ ہو بلڈاگ
چال ہے اعتدال کی اچھی
جس نے دیکھا ہو گیا عاشق

نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ
ساز حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ
واہ رے صورت واہ رے خالق

فیض کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر

امتحاں میں پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق
کہتے ہیں رکھئے پرانی روشنی بالائے طاق

اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے رازِ دل
کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں

روشن نفس نہیں نہ ہو جس میں گداز دل
زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں

میں سجدے میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ
یہی کافی ہے مجھ کو اہل ایماں باصفا سمجھیں
رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور دُر فشانی کی
کوئی کہتا نہیں ساج ہوں فطرت کا ماہر ہوں
میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں بنگلے میں
جو محو ہیں کر زینت کے عقبیٰ او خدا سے غافل ہیں
ممکن نہیں ہم اُن کی کوئی بات ٹال دیں
طاعت حق پردہ میلان دل قوم اب کہاں
پتا میرا یہی ہے منزل ہستی میں اے اکبر
بضاعت نے کمی کی انحطاط عمر میں اکبر
مرے ساز سخن سے پست فطرت کو تنغص ہے
جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے

بیت الخلاؤں میں وہ کرتے ہیں خدا سے باتیں
نہیں پروا منافق بد کہیں مرتد بُرا سمجھیں
میں تنگ آنکھوں میں بھر لایا بلاغت اسکو کہتے ہیں
نہیں تک فخر کی حد ہے میں ڈپٹی ہوں میں ناظر ہوں
کوئی ہے۔ لاکھ کہیئے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں
ارباب بصیرت کے آگے حشرات الارض میں داخل ہیں
دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں
وہ نماز صبحدم خیر من النوم اب کہاں
مرید حضرت دل ہوں مقیم خانہ تن ہوں
بصیرت ہے تو آنکھیں مجھ سے آنکھیں چراتی ہیں
بیاں تو سب پر آنچھا گیا بزم شغالان میں
جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

؎ غبارہ ۱۲

ذی علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہی طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سوتے بھی ہیں

چہرۂ یورپ کا میں پروانہ ہوں
اُس کی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں
شب میں پیدایش ہوئی ہی پیشِ شمع
جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں

جو حسرت دل ہی وہ نکلنے کی نہیں
جو بات ہی کام کی وہ چلنے کی نہیں
یہ بھی ہی بہت کہ دل سنبھالے رہیے
قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

حواس و فہم میں اُلجھے ہوئے ہیں
برات وہم میں الجھے ہوئے ہیں
خدا تک ہی رسائی سخت دشوار
سب اپنے وہم میں الجھے ہوئے ہیں

۱۹۰۵ء

دینی پہلو کو اے برادر دیکھو
کانٹوں سے ہو محترز گل تر دیکھو
نظم اکبر ہوئی ہی منقوشِ قلوب
آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو

قرآن سے واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو
با ایں ہمہ ہی شوق ترقی میں تگ و دو

ادبار کے ہیں یہ دن اولوالعزم نہ ہو
ہوتی ہے شکست مایلِ رزم نہ ہو
رونق محفل کی اب نہیں ہی مجھ سے
گوشے ہی میں بیٹھ عازمِ بزم نہ ہو

خدا رکھے سلامت اُس نظر کو
کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ زر کو

مرشد نے کہا اُٹھ کے حضرت معنی نہیں صورت تو وہ ہو
گھر چھوڑ کے بیٹھے بنگلے میں طاقت نہیں زینت تو وہ ہو
اُس نقش کی کر دو خانہ پُری تقدیر رہیگی پھر نہ بری
راس آئیگی تم کو بادہ خواری مجلس تو وہ ہو صحبت تو وہ ہو

تصدیق ادھر بشوق اُدھر بالارادہ جھوٹھ
اس سے زیادہ مگر نہ اس سے زیادہ جھوٹھ
عارض نہ اُنکا گل ہی نہ دل میرا آئینہ
رنگین جھوٹھ وہ ہی اگر یہ ہے سادہ جھوٹھ

ہوا ہو نہیں منحنی نہایت دبا رہا ہی فلک کا غمزہ
عرب تصرف کریں تو شاید الف کی صورت میں آئے ہمزہ

ملکی ترقیوں میں دو سالے نکالئے
ملٹن نہیں تو خیر رسالے نکالئے
کافی ہی بہر شغل کلیسائے فکر رزق
اب دل سے مسجد اور شوالے نکالئے

سراسر نور تقوےٰ سایہ پر قربان کرآئے
فرق کیا واعظ و عاشق میں بتائیں تم سے
یہی فتوائے نیچر ہے کہ ہم بھی ہو رہیں انکے
ملا میں کس طرح شر صدر پر نزلہ ہے مذہب کا
مگر قومی اطبا دور ہی کر دیں گے یہ نزلہ

یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زر کھو کے مس لائے
اُس کی حجت میں کٹی اسکی محبت میں کٹی
زر انکا زور انکا علم انکا سلطنت اُنکی
بہت اونچی سر دنیں بج رہی ہے اتبوگت اُنکی
تو ہی اطفال کو کرنے گی آخر تربیت اُنکی

تھا شوق ادائے مطلب اک حسن کیساتھ
دیوانہ تھی قوم عشق میں پریوں کے

اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
بگڑی گئی اور غلام جنات بنی

جبتک ہے ہم میں قومی خصلت باقی
چالیس برس کی بات ہے شاید یہ

بیشک پردے کی ہے ضرورت باقی
بعد اسکے رہے گی پھر نہ حجت باقی

زاہد کی طبع دیکھ کے اُس بت کو لچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا

وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جاں بچ گئی

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکر شاعر
ذات سے انکی مخاطب نہیں فکر شاعر

طبع مجنوں مری ہے عاشق ملت ایدوست
کیوں روا رکھتا ہے ناحق مری ذلت ایدوست

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے
چل بسے گیسوئے لیلیٰ میں الجھنے والے

فتوائے کفر دنیا واعظ کی بے حسی ہے
یہ بزم ساقی عجب جگہ ہے کہ روح بیخود پڑی ہوئی ہے

یہ عشق بت نہیں ہے اکبر کی پالسی ہے
حواس منطق کی عقل گم ہے دلیل حیران کھڑی ہوئی ہے

خبر دل کی مس دل خواہ جانے
رہی اب عاقبت کی بحث اکبر

خبر ایمان کی حب جاہ جانے
تو اس کا حال تو اللہ جانے

شوق شہرت بھی بُرا زر کی بری چاہ بھی ہے
ہاں مگر حسن بت زہرہ جبیں آفت ہیں

نفرت انگیز نظر میں ہوس جاہ بھی ہے
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہے

کمال شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے ۔۔۔ کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہے

حسنِ نور شمع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی ۔۔۔ موسمِ باراں میں لیکن کثرتِ پروانہ ہے

بچشمِ غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت ۔۔۔ وہ اپنی چیں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے

وہ پھنستی ہے قفس میں اور اسکا نام روشن ہے ۔۔۔ ہوا پر خیمۂ معنی کو اکبر تان دیتا ہے

حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے ۔۔۔ حیرت انگیز داستاں میری ہے

سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا ۔۔۔ میری نہیں بات گو زباں میری ہے

واعظ کا دل بھی سوزِ محبت سے گرم ہے ۔۔۔ چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے

اڑائی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر ۔۔۔ خدا کو مان کر جو دیں وہی اہلِ کرم اچھے

فیض حضرت بہر نمط ہوتا ہے ۔۔۔ دل کو میرے حظ نہیں فقط ہوتا ہے

ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح ۔۔۔ اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے

میں نے اکبر سا بھی وہمی نہیں دیکھا کوئی ۔۔۔ کہتا ہے ان کی کمر مجھ کو نظر آتی ہے

مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ ۔۔۔ اسکا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے

تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ ۔۔۔ یعنی نہ نور دل ہے نہ شمع مزار ہے

بوڑھے ہوئے کتاب سے بوس و کنار ہے ۔۔۔ اپنے لئے الف ہی بس اب قدِ یار ہے

اپنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم ۔۔۔ میں بھی ہوں شاہِ روس کہ دل میرا زار ہے

زندگی سے اب طبیعت سیر ہے ۔۔۔ موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے

کون و مکاں ظہورِ جمالِ حضور ہے ۔۔۔ غافل اسیرِ دامِ فریبِ شعور ہے

یا امیٹیشن[۱] کے صدقے چائے دودھ اور کھانڈ لے ۔۔۔ یا ایجیٹیشن[۲] کے بدلے تو چلا جا مانڈلے

یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی ۔۔۔ رزق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے

دنیا کی حرص و آز کا واعظ شہید ہے ۔۔۔ گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہے

جب تک رہے زندہ آرزو مند رہے ۔۔۔ جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے

۱؎ Imitation نقل اتارنا　۲؎ Agitation مخالفانہ جوش

اب حشر میں خلد و نار کا ہی جھگڑا
دیکھیں یہ اُمید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے
لیکن سرورِ قلب یہ قسمت کی بات ہے

آپس کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے
سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے

وہ مخبر رقیب ہے میں ہوں شہید عشق
یہ اپنی اپنی ہمت و عزت کی بات ہے

جاپان و روس سے نہیں کچھ واسطہ ہمیں
خرچ کی یاں تو بحث ہے تبت کی بات ہے

بی اے بھی پاس ہوں ملی بی بی بھی دلپسند
محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے

تہذیب مغربی میں ہے بوسے تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

بچانا نشۂ طولِ امل سے دل کا مشکل ہے
سرور بادۂ اُمید فردا آ ہی جاتا ہے

تان اس بت نے اڑائی ہیں بلما بھولے
ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے

صنم ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر
غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلمیٰ بھولے

جان آ چکی ہے لب پر ہیں منتظر فنا کے
اب تک ہے واں تغافل قربان اس ادا کے

فغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے
سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہمنشین ظلم بتاں پر چپ نہ رہنا چاہیئے
بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیئے

ہوا بدل گئی ہے ایسی کچھ زمانے کی
دعائیں مانگتا ہوں ہوش میں نہ آنے کی

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی
لیلیٰ یہ کچھ باؤلی نہیں تھی

عمر ۲۲ سال

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اسکی ٹھہری
دل مرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری

مشتاق تو ہستم کہ عزیزی و حبیبی
لیکن چہ تواں کرد کہ مہمان رقیبی

دست فلک سے ہند کی خلقت بہت پٹی
جو کچھ تھی اسکی عظمت و وقعت وہ سب مٹی

اس کی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط
ہاں مشغلے کے واسطے ہے یونیورسٹی

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی
اب میں ہوں اور عزلت اور عالم خموشی

اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمایش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقدار
پرماواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسہ
عجب ہے تسلیم و صبر کی خو اگر نہ پیدا ہوئی لیں اب بھی
عزیمتیں فسخ ہو گئیں جب عرفت ربی

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی

صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی

ہوئی جو عمر اکی بھر سنی کہ پند میں ہے ایک باقی
عجب ہے ہجر کا اقتضا سو جو رکھے نیت کو نیک باقی

موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
اٹھ گیا دل دہر سے دولت نظر سے گر گئی

دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں تمہید رہی
کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری

فلسفہ حریف کا دین کا ہے عدو بنا
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ ربنا
اس طرف ہے قید سخت اور ترا ہے بچینا
لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

متعلق رڑکی

متضاد سے گئے جو دو طرف سے دو تار
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل
کیا جانئے کس کو اس نے اچھا سمجھا
سرکار نے کس کو انہیں سچا سمجھا

بدبو مرے گھر نہ اسے شرابی پھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر دم ترے منہ سے نکلتا ہے مے لا

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو انسے ہرگز
بنئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

پیچ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیلا کر دیا
سادہ طبعوں کو بھی بالآخر رنگیلا کر دیا

شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور پتلون کا
وہ شل ہے مفلسی میں آٹا گیلا کر دیا

تھا بنارس پہلے ہی سے ای صنم رس میں بھرا
چشم مس اینی[لہ] نے اور اسکو رسیلا کر دیا

مرے نزدیک یہ پنجاب کا بلوا بھی برا
ساتھ ہی اسکے علی گڈھ کا یہ حلوا بھی برا

آپ اظہار وفا کیجئے تمکین کے ساتھ
لپٹ جانا بھی برا ناز کا جلوہ بھی برا

جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنان سمند
تو پھر سوار سے اکبر پیادہ یا اچھا

سررشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا
آپس ہی کے خانہ جنگیوں نے لوٹا

قرآن کے اثر کو روک دینے کیلئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فسانہ
کانوں سے سنا سب مگر آنکھوں سے نہ دیکھا

اٹھانا پڑتا تھا ان کو بار الفت خوباں
جوانی کیا تھی نیچر نے مجھے بیگار پکڑا تھا

اب ان قصوں کا کیا حاصل اب ان باتوں کا کیا رونا
یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا

کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی عزت و حشمت
میسر ہیں تجھے دو روٹیاں بس گھر کا لے کونا

ہنگامۂ ترقی قومی کو دیکھ کر
اور اک حال کے لئے میں ہو گیا کھڑا

کوئی ہوا نہ مجھ سے مخاطب وہاں مگر
چپکے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا

اکثر وہی بزرگ ہیں جو ہیں پئے ہوئے
باہوش کم ہیں انکے بھی منہ ہیں سئے ہوئے

ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجمن کا راز
کیوں اپنے آپ کو ہو پریشاں کئے ہوئے

پہلے تھا قوم میں سب کچھ مگر اب کچھ نہ رہا
کسی شاعر نے ہے واللہ یہ کیا خوب کہا

شیخ کے پاس ہے اب صرف مصلّے باقی
اور مرے پاس ہے اردوئے معلی باقی

معانی قرآن کا لو کچھ مزا
پڑھو لن تضروکم الا اذیٰ

نہ حرف شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا
ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا

خدا کے واسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
سنی باتوں کا کیا سننا کہی باتوں کا کیا کہنا

لہ یعنی مسز اینی بسنٹ صاحبہ ۱۲

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا
قومی خصلت کا سر سے اُٹھا سایا

کہتے تھے ولد کو لوگ سن لا بیہ
سن للماسٹر کا اب وقت آیا

بڑھایا تا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب
زمانے میں نیا یہ دور ہے ماہی مراتب کا

تیروں نے غم کے قلب کو کمبخت کر دیا
سوز دروں نے سینہ کو دم پخت کر دیا

طفل دل محو طلسم رنگ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آ گئی مذہب کو فالج ہو گیا

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

واہ رے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا

قوم کے عشق میں یہ سوز جگر کیا کہنا
ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہو
غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہو

قوم کی تاریخ سے جو بے خبر ہو جائیگا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائیگا

بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا

قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پامال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اُگا اور پھل گیا

بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضموں لکھا
ملک میں مضمون نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ساتھ انکے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اُچھل ہی نہیں سکتا

پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا

گیا شور و فغاں نے میری اسکو مضمحل کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

خواہش ایواں نہ شد وشہا اسلام را
حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

جو پاس کبھی ہو لب مصیبت تو نفس میں کچھ نہیں فضیلت
اگر ہو طالب کمال کے تم تو چھوڑ دو امتحان ایسا

پیری سے کمر خم ہے وہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجا

وسعت ہے در علم میں ہے راہ عمل بند
ہے صاف سڑک یاں پہ لیکن ہے شکنجا

کیا کہوں اسکو میں بدبختی نیشن[1] کے سوا
اس کو آتا نہیں اب کچھ امیٹیشن[2] کے سوا

اسقدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم
وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہوگیا
لاتِ دُنیا سے جو ماری بنگیا دیندار وہ
تھی بُری ٹھوکر مگر شیطان رخصت ہوگیا

مری تقریر کا اُس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا
کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہِ حق طلبی میں
وہ ٹولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا
کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا
لطیف الطبع ساتھی چاہیئے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کارواں بو نہیں چلتا

درس تھا یکساں مگر وہ تو مسیحی ہو رہے
تجھ پہ مذہب کے عوض شیطان کا قابو ہوگیا
ایک ہی بوتل سے پی ہوٹل میں دونوں نے شراب
لطف مستی ان کو آیا اور تو اُلّو ہوگیا

ہر قدم ان کا شہیدِ لغزشِ مستانہ تھا
سر میں تھا سید کے قرآں زیرِ پا میخانہ تھا

تجھے انگلش سے جب موقع نہیں ہے گرمجوشی کا
تو پھر کیا لطف ہے اے ہم نفس اس بادہ نوشی کا
تکلف سے جواب اُسنے دیا سنکر کہ اے اکبر
ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا

چھوڑ کر رنج اپنے مٹنے کا
منتظر ہوں اب اُنکے پٹنے کا

سر سید کو فلک نے تننے نہ دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ بجنے نہ دیا
ملت کی شکست میں مدد کی کامل
بننے لگی قوم جب تو بننے نہ دیا
گھر میں ہمیں چرخ نے ٹہلنے نہ دیا
باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا
کالج نے بٹھا دیا جو مانندِ شجر
کچھ پھول چلے تھے اُسنے پھلنے نہ دیا

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

رئیسوں کی اُپج ہے یہ ترانہ ہے نہ عملے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ بوٹا ہے گملے کا
ہمارے حضرت شیخ مہذب کی ذہانت ہے
خدا اسمیں چمک دے یہ بھی اک طرّہ ہے شملے کا

[1] National قوم [2] Imitation نقل اُتارنا [3] یعنی رقیبوں کے

دل چھوڑ کر زباں کے پہلو پہ آ پڑے
ہم لوگ شاعری سے بہت دور جا پڑے

معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زباں کا
ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب
ممکن ہو اگر تو اسکو قائم رکھو
انجم نہوں تو لطف نہیں آسماں کا
بیگانوں کے واسطے ہے اک حد ادب
غیرت کے نشان اور مٹ گئے سب

پنڈت نے خوب بات کہی جوش طبع میں
پتھر کے بدلے اب تو دھرم ۱؎ ٹوٹنے لگا
تا حق گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ
محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ

محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار
سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ
معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ

جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت
اطفال کو ناز ہے مگر قومی آنکھ
ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت
روتی ہے کہ ہے یہ خود کشی کی قوت

حاضر ہوا میں خدمت سید میں ایک رات
بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے
افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات
میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے

مہمان آ گئے تو اُس کو گھیرا تو بہت
مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں
اُسکی راہ ہو تونے اُس کو پھیرا نہ بہت
بھائی مجھے میرا حصہ دے تو بہت

عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت
اب تک ہے مگر وہی ہوس حضرت کی
نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت
ہے طول امل ہنوز شیطان کی آنت

عزیزوں کی اہانت کم بزرگوں کا ادب رخصت
جو دل بدلا تو سب لا خدا رخصت تو سب رخصت

ڈیلی گیٹوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح
بعد عمدہ کھانے کے ایسی ڈکاریں ہیں مباح

سنٹرل بھی ہو کمیٹی اور پراونشل بھی ہو
حامی پبلک بھی ہو رُخ جانب کونسل بھی ہو

بابوؤں کی طرح لیکن عقل سے کچھ مطلب نہو
کردیں بس توضیح جزو و کل سے کچھ مطلب نہو

دل ووٹے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے
کیوں نہ ہو دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے

۱؎ ہیں ٹوٹنے لگے ۱۲

گنڈے کے اب قومی گلے کا ہار ہو جائینگے یہ
پالیسی کے طرۂ دستار ہو جائینگے یہ

بحث ملکی میں تو پڑنا ہے نری دیوانگی
پالسی اُن کی رہے قائم ہماری دل لگی

ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ راہ دے
تم فقط پتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں میگوید
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں میگوید

طبع او فونوگراف است و سرودش سبقش
آنچہ بستند برو نقش ہماں میگوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند

ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش
یورپ کیلئے بس ایک گودام ہے ہند

گفتم ز ایران رواست جنگ نماند
آغا خندید گفت رنجے دگر است
آں مردی و آں ہوا و آں رنگ نماند
کامروز برائے ساغرم بنگ نماند

شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یا رب یہ کیا
آنکھ بھنگے کے حوالے کان مچھر کے سپرد

افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر
طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر
خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر
یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر
سودا اس کو ہے جو سدھارا لندن
بنیا بیٹھا ہے مونڈھا موٹھی لیکر
وہ دولت و جنس گھر میں جو تھی لیکر

یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار
کرتا ہوں میں تجھ کو اسکی تنبیہ اکبر
قرآن کو مان لا تقم فیہ اکبر

اگر نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر
یہ اہلکاران بد دیانت بنینگے پھوڑا بغل کے اندر

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر

میں رعیت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھ کو کیوں رشک آئے وضع ملت انگریز پر

کانٹے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ زیست میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے اُن کی میز پر

معمّا

ممکن نہیں عبور مرے انکے راز پر
بالفعل ہے مقام عدالت جہاز پر

کیا اسکی خوشی کہ ہم کو ہی عقل کثیر
ہرگز یہ نہیں ہی حسن قانون خدا
ہمکو تو اسی سے کردیا تم نے فقیر
کہتے ہیں حضور اس کو حسن تدبیر

تہذیب نو کی رنگ پہ بلبل نبی ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر

شیخ ملتے ہی رہیں گے تجھ سے بہر اخذ زر
دین خود تجھ کو نہ چھوڑیگا جو تو دنیا نہ چھوڑ

جس طرح ہے تجھے الم جسم کی تمیز
دیکھے گا درد جان کو بھی اکدن تو اے عزیز

ہرگز نہیں ہم کو سلطنت کا افسوس
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اسکا
ہے ابتری معاشرت کا افسوس
ہے اپنے ہی میل معصیت کا افسوس

سیاہ کرنا دلوں کا اسے ہی کیا مشکل
تمہارا علم لگاتا ہے آفتاب میں داغ

یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو
پوچھا اس جانب لئے جاتا ہے کون
عرض کی میں نے ہلاکت کیطرف
میں نے دیکھا اسکی صورت کیطرف

بن گئی ہے خضر راہ دوستاں کید حریف
ہم کو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں
ہے نماز گربۂ زاہد سے خوش کیک نحیف
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشارات لطیف

ہم کو نہیں انکے عیش و راحت پر رشک
کافی ہیں ہمیں عبادتِ حق کے لئے
بے غیرت وکو دن اسپہ برساتے ہیں اشک
ایک اونٹنی ایک بال پانی اک مشک

کونسل میں شریک ہوگا کل ملک
یارب کل سلطنت ہے تیری
اب تھینکس کا باندھ دیگا پل ملک
توتی الملک اور تنزع الملک

اونچا سنتی ہے کیا گورنمنٹ
گائیں ناحق بھڑک رہی ہیں
کیوں کرتا ہے اتنا شور غل ملک
ویران نہ کرینگے جان بل ملک

ہوتی ہے روش جو سلطنت کی
جاتا ہے اسی طرف کو ڈھل ملک

زندہ جس سے ہے بزم قومی
وہ کون ہے صرف محسن الملک
غنچے کی طرح سمٹ کے اُبھرو
اسوقت کھلیگا مثل گُل مُلک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق
کافر و نیٹو میں ہے تھوڑا ہی فرق
کافری کا ہے علاج ایمان سے
نیٹویت تو ہے لپٹی جان سے

بنام خیالات پاٹ آفریں
زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں
جو ایک کہے اُدھر طبیعت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم
وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں
ایماں کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام
وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں
معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھوکر
یہ کیا اندھیر ہے بجھ لیتے ہیں یہ تب چمکتے ہیں

دنیا میں ضرورت زر کی ہے اور آپ میں مطلق زر نہیں
یہ صورت حال رہی قائم تو امن کی جا جز گور نہیں
تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپکو بھی پہچانتے ہیں
کب آپکی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں
ای بھائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل
گو نسل علاءالدین میں ہو مشکل تو تمھارا غور نہیں

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں
منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں
حضرت کو جو فرصت ملاقات نہو
بوسے پر آستاں کے شاکر ہوں میں

ہوائے طوبیٰ ہے اب سر میں موج کوثر ہے اب نظر میں
ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں من باز میں

وہ جیب ماہو میں سینے گلشن پہونچیں
زلفیں شملے سے تا بہ دامن پہونچیں
درگاہ نبی سے راجہ جی جب رو کھٹے
صدقے ہونے کو بی نصیبن پہونچیں

جھنجھلا کے بولے اُنسے جو لیٹا اندھیر میں
اندھیر اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

آغازِ تحریکِ سودیشی میں یہ نظم لکھی گئی تھی مصنف شورش سے متفق نہیں۔

داخل مری انست میں یہ کام ہے پُن میں — پہونچائے گا قدرت شجرِ ملک کی بُن میں
تحریکِ سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبرؔ — کیا خوب یہ نغمہ ہے چھیڑا دیس کی دُھن میں

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں — موافق اپنا اپنا پاتے ہیں میرا چلن دونوں
ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں — زباں پر میری موزوں ہوتی ہیں حمد اور بھجن دونوں
مجھے الفت ہے سنی سے بھی شیعہ سے بھی یاری ہے — الگ ماٹے میں دکھا سکتے ہیں دلکش بانکپن دونوں
مجھے ہولی بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکر دوارا بھی — تبرک ہیں مرے نزدیک پرشاد اور مٹن دونوں

ایک سید کیا کریں یا بیٹھ کر دس کیا کریں — حضرت حالیؔ کے اشعارِ مسدس کیا کریں
سچ تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے — ہم غریب و ناتوان و زار و بیکس کیا کریں

روشنی سر میں گداز غم دل مایوس میں — شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
روکتا ہوں زور دریا سے تو فرماتے ہیں وہ — آجکل برکت بڑی ہے خرقۂ سالوس میں

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم — اس سے بہتر اس غذا کیواسطے چورن نہیں

ہم نیک خصال ہیں یہ تسلیم نہیں — دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریق و عادات عجم — واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

چو مسٹر بنا شد ترا میہماں — چہ بر میز خوردن چہ بر روئے خواں

ہندی نے گھر کیا ہے دل شیخ دہر میں — سید کا جانشیں ہے وہ آج ہند میں

یہ بولے رو کے پیر داور گیا دیں — دھرم دنیا سے اُٹھا اور گیا دیں

نوکر کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زباں — مطلب یہ ہے کہ سمجھے انکے فرماں
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز — اس نکتہ کو وہ کیا سمجھیں جو ہیں ناداں

نیچریت چیست از دیں گم شدن — نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

بھوک سے زائد ہو جسکے پاس کھانا اسکے پاس — اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ ملتی نہیں

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
ورنہ سائنس پیس ڈالیگا تمھیں
مذہب نے کہا کہ مجھ کو چھوڑوگے تو وہ
کیا گود میں اک طرف اٹھالیگا تمھیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں
وہ بنیاں ہیں اور یہ کوٹھی کی دوکان
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوجھا نہیں خود غرض کو آئین صواب
جتنا چھوڑوگے ہمکو تم ہوگے خراب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
حکام کی ہے یہ حسرت عیسیٰ نفسی
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

حدیں قوموں کی قسمت کی کیا کرتا ہے یہ قائم
زمانہ دیکھ کر چلئے طریق زندگانی میں
محبت کس طرح اس قوم میں باہم رہے قائم
زبانیں صرف غیبت دل ہیں ڈوبے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ اپنا نہ سمجھے مجھے غلام
بولا وہ بہت یہ ہیں سکے فرنگی نہیں ہیں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود رائے کیا کروں
تو مہ نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
سعی بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑدو
ویراں ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑدو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
باقی نہ رہے پھول ۔ تو اب پات بھی توڑدو

یا کس کے کمر پہ خوشامد باندھو
یا حجرے میں گھس کے بیٹھو تہمد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے اے شیخ
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

پاینر کے صفحۂ اول میں جسکا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

شملہ مقدار علم

افسوس ہے کہ مرگئے بکؔ اب نہیں کوئی
شملے پہ جان دی تو تعجب ہے اسمیں کیا

اس درجہ جس میں علم ہو اس درجہ حلم ہو
لازم تھی وہ جگہ جو مقدار علم ہو

زندگی اور قیامت میں رلیشن[1] سمجھو
ہو جنھیں مقدرت وضع و نفاذ قانوں
آہ و فریاد سے قابو میں نہ آئیگا وہ یار

اس کو کالج اور اسے کانووکیشن سمجھو
بس انھیں کو صف اقوام میں نیشن[2] سمجھو
طپش قلب کو بنگال ایجی ٹیشن[3] سمجھو

دیں دار بنو درست دیں ہو کہ نہ ہو
مذہب پہ جمے رہو یہ ہے شیخ کا قول

قدر اس کی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو
کہدو کہ یقین ہے یقیں ہو کہ نہ ہو

افسوس ان پر فلک نے پایا قابو
شیخی کو چھوڑ میرزا پہلے بنے

مطلق نہیں انہیں رنگ ڈھونڈ دیا ہو
بنتے جاتے ہیں اب یہ مسلم بابو

لطف سخن تو ہے یہی ٹرس[4] بھی ہو ڈٹی[5] بھی ہو

ذہن کا وصف ہے یہی اور بجنبلیٹی[6] بھی ہو

مرشد نئی روشنی کا ہے قابل قدر
طالب جمے کا لیکن اس سے رہی دور

تزئیں بھی خوش نما ہے تنویر کے ساتھ
انوار لگا ہوا ہے اس پیر کے ساتھ

عقل سید بود از انوار حکمت یافتہ
مشکلے در پیش ہست او را اگر گویم بی

زور بازو پیش عدو را پنجہا بر تافتہ
زابنیا ہرگز کسے نگذشت پیش یافتہ

پردہ اٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی
سن چکا ہوں میں کہ کچھ بوڑھے بھی ہیں اسمیں شریک

جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ
یہ اگر سچ ہے تو بیشک ہیں نابالغ ہیں وہ

اکبر کو ہے الفت بتاں گمراہ
احباب سنیں جو ائیں ہم ایسے اشعار

کرتا ہے انھیں کو وصف تیں متہ سیاہ
تردید کریں کہیں کہ سبحان اللہ

لے لیکے قلم کے لوگ بھالے نکلے
افسوس کہ مفلسی نے چھاپا مارا

ہر سمت سے بیسیوں رسالے نکلے
آخر احباب کے دوالے نکلے

[1] یعنی رشتہ [2] قوم [3] مخالفانہ جوش [4] لطیف [5] ظریف [6] جدت ۱۲

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے　　ہم لوگوں سے کپ کو پرے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم　　کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا مآل　　منتشر اجزا اب اُن کے ہو گئے
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے　　دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے　　میں لیٹا تو اُٹھ کر کھڑے ہو گئے
نہیں ان کو کچھ شرم لاحول قوم　　یہ ملحد تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو اک دن اجل آنی ہے　　دنیا گذراں ہے ہیچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو　　گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے

تم کتنے ہی محو کج ادائی رہتے　　تم پر دل و جاں سے ہم فدائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع　　لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بری کیا راہ پکڑی ہے　　وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی بڈھے کی لکڑی ہے

اُڑ گئی دل سے مری حسن پرستی نہ گئی　　بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھ کو کچھ حیرت نہ ہوگی تم کو ہو جائے گا فخر　　کہہ دو اک بدمست گورے کو کہ بندہ زادہ ہے
مغربی تہذیب میں کس کو میں سمجھوں مستند　　اس تماشاگاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیر دام زلف پالیسی مدت سے بندہ ہے　　فصاحت نذر لکچر ہے۔ ریاست نذر چندہ ہے

ان کی سب باتوں کو اگر سیکھ لے　　خود وہ فرمائیں گے پھر آ بھیک لے

جو لوگ طرفدار علی گڑھ کے رہیں گے　　اس دور میں بیشک وہی بڑھ چڑھ کے رہیں گے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو　　کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہیں گے

داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو　　پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ظاہر میں اگرچہ راز سربستہ ہے　　مضمون لطیف و خوب و برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڑھ کالج　　گلدان میں مسلموں کا گلدستہ ہے

سرحد پر باغیوں کو سکھ ماریںگے
قائم رہے البشیر کا یہ پرچہ

کونسل سے ہر طرح کا قانون آ رہا ہی
لیکن پڑھوں میں کیونکر آنکھوں کی ہی یہ حالت

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
لیموں کے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جایئے
فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
چندے کی مجلس میں پڑھیے رو کے قرآن مجید
شیخ صاحب ہے یہی قومی ترقی کی شناخت

پڑا ہی قحط لشر مر رہے ہیں فاقوں سے
بجھی ہوئی ہی طبیعت یہ روشنی ہی فضول

دنیا ہی اب درست ہی قائم نہ دین ہی

اکدن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے

گذرے مری نگاہ سے یاروں کے جھگڑے
کھانے بھی خوب کھائے اٹیں کلچنیں بھی خوب
ہم تو اسی کی بات سمجھتے ہیں کام کی

جس سے جو بن پڑے وہی کام کرے
لیکن رہے قومی بھائیوں کا ہمدرد

جرچے ہیں نہ مذہب کے نہ وہ قصۂ دل ہی
اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہی

گردن اردو کی رائم رکھ مارینگے
ہم بھی مضمون کوئی لکھ مارینگے

مطبع سے ہر طرح کا مضمون آ رہا ہی
اشک آ رہے تھے پہلے اب خون آ رہا ہی

کالج میں آکے کانوو کیشن کو دیکھئے
اب کاغذی ترقی نیشن کو دیکھئے

غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جایئے
دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جایئے
مذہبی محفل میں لیکن مثل دشمن جایئے
روٹھنے سے کچھ نہیں ہی فائدہ من جایئے

خوشی ہو کیا نہ مجھے شبرات میں پٹاقوں سے
اتار لیجئے صاحب چراغ طاقوں سے

زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہی

اک دن یہ ہی کہ دین دبا ہی مشین سے

مطلب یہ تھا سر در بڑھے اور غم گھٹے
لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے
عشق صمد زیادہ ہو عشق صنم گھٹے

صاحب بنے کھائے کھیلے آرام کرے
ہر حال میں ادعائے اسلام کرے

پرچے ہیں اب اخبار کے اور آرٹیکل ہی
اسکی تو گورنمنٹ ہی رسپانسبل ہی

؎ دوسرے مصرع سے قافیہ کے لئے طبع آزمائی ہوئی تھی ۱۲ ؎ ذمہ دار ۱۲

[illegible] دام میں لیجائیں	کیا فائدہ عارض پہ کسی بُت کے جو تل ہے
تنخواہ کے بل سے ہمیں ہوتی ہے مسرت	اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہے
غزالی و رومی کی بھلا کون سنے گا	محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مل[1] ہے
سابق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے	کل آج نہ تھا آج کو کل کر نہیں سکتے
الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے	صوفی بھی بہت کود اچھل کر نہیں سکتے

تائید کانفرنس

جمعیت ناقدانِ قوم اچھی ہے	گلہائے سخن کے باغ کھل جائینگے
کہتا ہے یہ معترض کہ ملنا کیا ہے	کچھ اور نہیں تو دل ہی مل جائینگے
چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دَور	کیونکر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے
البتہ ایک عرض کروں گا [illegible] زبان	گو خوشنما بہت ہے مگر بے اصول ہے
دنیا کی ہوا راس جو آئی بھڑک اٹھے	انگارے بنے جاتے ہیں اب کوئلے کالے
کمزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی	دل نے کہا بے پوچھے ہوئے کھونکے کھالے
[illegible] مری تو ہے عطا کردۂ مرشد	ان برہمنوں کے پاس تو ہیں مول کے مالے
ترکیب تو دیکھو ہندو زمانے کے چلن کی	افسوس کہ اس سے کوئی واقف ہی نہیں ہے
[illegible] گرامر ڈکشنری بھی ہیں موجود	مسجد میں کوئی ڈپٹی مصنف بھی نہیں ہے
بزمِ اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے	ہر سخن اس کا لطیف و خوب معنی خیز ہے
بالارادہ اس سے جو کرتا ہے اعراض و گریز	ناتواں بیں وہ ہے یا کودن ہے یا انگریز ہے
سخن سازی کی چالوں میں تو خامہ نکتہ آرا ہے	مگر جو حالت اصلی ہے وہ بیباک پہ ظاہر ہے
اس زمانے میں جو دل دہر سے پھر جاتا ہے	آدمی پایۂ تہذیب سے گر جاتا ہے
ہیں مجبور واقفیت [illegible] وہ اب کون بندہ ہے	کہ بل موہوم امیدوں کا لفظوں کا سمندر ہے
معاملہ تھا عرب کا خدائے واحد سے	عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد سے

[1] یہ دونوں مغربی فلاسفر ہیں ۱۲

ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی
ادھر تھی بحث نزاع حمید و حامد سے

ہر نئی روشنی اک لوکل و ذاتی ترکیب
لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زوائد اسکے

لمپ بجلی کا ہے یہ مہر جہانتاب نہیں
جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اسکے

بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے
دنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے

جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قائم
کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے

بارک کوئی کردیگی عطا ان کو گورنمنٹ
یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے

صوت ہزار طائر بدلحن نے سنی
کہنے لگا کہ بھاڑ میں بلبل کی چیخ جائے

اُسنے کہا مقابلہ کا کب تھا یاں خیال
یہ تو وہی مثل ہے کہ کانا ہو کو تنج جائے

مسجد کا ہے خیال نہ پروائے چرچ ہے
جو کچھ ہے اب تو کالج و ٹیچر میں خرچ ہے

عزت کا ہے نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے
حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے

اس طرز تربیت پہ ہیں اغیار خندہ زن
لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی نوج ہے

اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق
مسجد بھی ہے مولوی بھی ہیں ٹاٹ بھی ہے

دریا میں نہیں ہیں جوہر تیغ اکبر
گو آب بھی اسمیں دھار بھی کاٹ بھی ہے

پیری نے دانت مجھپہ لگایا ہے گھات سے
بائیں طرف کی داڑھ میں ہے درد رات سے

بارہ مسالے ایک طرف درد اک طرف
پیپل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیج پات سے

نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے
رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے

تمھیں دھوکے میں ڈالا ہے مثال اہل یورپ نے
اُدھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے

کہتے ہیں ترک ملت انساں کو بات کیا ہے
[illegible]
تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہے

خوب فرمایا یہ شاہ جرمنی نے پوپ سے
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہان توپ سے

جد امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر
ہم کو اپنے عہد میں یالا پڑا اکنٹوپ سے

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہو گئے
ہم نفس دو اک جو باقی تھے وہ صاحب ہو گئے

وقت بد میں کون رکھتا ہی رفاقت کا خیال
ہم نشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

کدھر جاتی ہی طبع قوم اسکو کوئی کیا جانے
بصیرت جنکو ہی وہ جانیں اکبر یا خدا جانے

طریق حق میں بھی پھر خدا ذرا چلئے
فٹن کی راہ نہیں ہی پیادہ پا چلئے

کہا جب غیر کو کیوں تو نے سلے گلر دھپنسایا ہی
تو بولا دلگی کے واسطے الّو پھنسایا ہی
ادھر چاہ ذقن ہی اسطرف ہیں جال گیسو کے
ہمارے دل کو اُسنے کر کے بیقابو پھنسایا ہی

گلوں کو دیکھ کر کہتا ہے وہ شوخ
ہمارا رنگ بھی پھیکا نہیں ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہی یہ بیجان جان تباہی گئی

قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں
نیچرل ایک چیز بن نہیں سکتی
نیچرل وہ ہے یہ ہے مصنوعی
آئیں کیونکر صفات مجموعی

نہ رنگ انجمن وہ ہی نہ وہ میکش نہ وہ ساقی
یہ دعوت کیا ہی بس ہی اک ادائے فرض اخلاقی
نہ وہ مکتب نہ وہ ملا نہ وہ صورت نہ وہ سیرت
سوا نام خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی
کہاں وہ دعوت احباب کی طیاریاں اکبر
خموشی سے ادا کرتا ہوں بس اک فرض اخلاقی

بے بصیرت ہے مگر تو منکر شیخ و ولی
ناشگفتہ رہ گئی بیشک تیرے دل کی کلی
چشمہ پیدا کن کہ بینی آشکارو ہم نہاں
در قبائے گلرخاں رنگ نبی بوئے علی

بلا طاقت تہ افلاک انساں کی نہیں چلتی
وہاں تو ریل چلتی ہے یہاں روٹی نہیں چلتی

پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی گنی
کہتے ہیں حریف ہنسکے اب زر و طین
اب پیش نگاہ ہیں فقط مینس[1] وینی[2]
جب دین کو کھو دیا تو دنیا بھی چھنی

ہنستے واعظ کی خوب داڑھی نوچی
مذہب کو شکست دیکے کیا پائیں گے
یہ بات مگر نہ اپنے دلمیں سوچی
آخر کو رہینگے موچی ہی کے موچی

فضل خدا سے عزت پائی آج ہوئے ہم سی ایس آئی
شیخ نہ سمجھے لفظ انگریزی بولے ہوئے ہیں یہ عیسائی

ابتک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی
ناحق تجھے ہمنشیں ہی فکر اسکی بڑی

[1] انگریزی اٹھنی [2] انگریزی پیسے

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی ،
یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی

روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں
لاکھ سمجھاؤں کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں پیرے ہم طریق
وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادت سحر خیزی تھی
انداز و روش میں اک دلآویزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

مہدی کو برا بھلا جو چاہو وہ کہو
لیکن دکھلا دی اسنے بیوٹی اپنی
لاکھوں ہی کے ڈھیر کر دئے کالج میں
پوری کر دی یہ اسنے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا انکا
رہی اک حالت ذہنی ہماری
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسہ
کہیں گذری نہیں عرضی ہماری
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبرؔ
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ لے خرد تو بھی گئی
غیرت کے ساتھ مذہبی بو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرت کرامت[1] اکبرؔ
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھنا ہے حکمت مغرب کا واہ واہ
فطرت بھی اس کو دیکھ کے حیران رہ گئی
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو پائی ترک عبادات میں مثال بری
شروع ہی سے پکارا کہ ہے یہ فال بری
جناب حضرت سید پہ کھل گیا ہوگا
کہ ہو ہی جاتی ہے بیقیدیوں سے چال بری
یہ بحث جانے دے اکبرؔ کچھ اور باتیں کر
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قال بری

خواہان نوکری نہ رہیں طالبان علم،
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہل شعور کی

[1] عالیجناب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر اٹلا مرحوم جج ہائیکورٹ الہ آباد ۱۲

کالج میں دُھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی

پاؤں کو بہت جھٹکا پٹکا زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کی ہے اکبر تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی

یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سید کو مُرید بنا ہی لیا
سب پیروں سے تو وہ بچ نکلے اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی

جہاں نے ساز بدلا ساز نے نغموں کی گت بدلی
گتوں نے رنگت بدلا رنگت نے یاروں کی مت بدلی

فلک نے دور بدلا دور نے انسان کو بدلا
گئے ہم تم بدل قانون بدلا سلطنت بدلی

عجب حیرت انگیز ہے یہ انقلاب
ہماری سمجھ کیا ہے کیا ہو گئی
سمجھتے تھے سب جسکو بیجا صریح
وہی بات بالکل بجا ہو گئی

جو کام تھا گھنٹے کا نکلتا ہے وہ پل سے
خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے
تاریخ تو خالد رضہ کی پڑھو رات کو گھر پر
اور دن کو کچہری میں دیو نیل کمل سے

تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہے وہاں اور یہاں مذہب پہ گرتی ہے

ایمان کی ہے تاک کافری ہے تو یہ ہے
تقویٰ بے دم ہے ساحری ہے تو یہ ہے
نظمِ اکبر ہے دافعِ جادوئے کفر
ما شاء اللہ شاعری ہے تو یہ ہے

ظرافت

الا یا ایہا الطفلک بجو راحت بہ ناولہا — کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن و پتلوں — کہ سید خبر دارد ز راہ و رسم منزلہا

دیکھیے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو — شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آنے لگا
کیوں کرے گا پیش ہم پر جلوۂ حور بہشت — جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا — خود ہم نے کیا ازار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے — نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

مس کو دیکھا عاشق زلف چلیپا ہو گیا — مست تھا دل بھول کر وہسکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا — بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا — اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا
الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی — منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی — کودن کو غنت ربود کی فرصت نہیں رہی
الجھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی — مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی — چوہوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی
الجھا ہوا ہے چندۂ واسکول میں ہر ایک

بچے فراغ طبع سے اب کھیلتے نہیں
عشاق رنج ہجر بتاں جھیلتے نہیں
اُبھرے ہوئے جوان بھی ڈنڈ پیلتے نہیں
پاپڑ فروش پاپڑوں کو بیلتے نہیں
اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

لیتا ہے کون گرمیٔ دل سے خدا کا نام
مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام
اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
کوٹھی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گودام
اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

گم ہوگیا ہے لوگوں میں آپس کا میل جول
تاشے نہ شادیانے بجتے کہیں نہ ڈھول
وہ ٹولیاں نظر نہیں آتیں نہ اب وہ غول
مخبوط بدحواس پریشان گول مول
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صف بصف
لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف
یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

پنڈت پراجما کے بنارس پہ آ رہے
حالیؔ غزل کو چھوڑ مسدس پہ آ رہے
مرکٹ سے کے شیخ شہر بھی نو ٹیس پہ آ رہے
ہم فرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

کونسل میں نکتہ چینیوں کی ٹولی بہت بٹی
بیکار کانجوں سے بھرے گا نہ ہر ستی
اچھا ہوا سنبھل گئی اب یونیورسٹی
اس بل سے یہ شکایت احباب بھی مٹی
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

مری نظر دنیں کیساں ہیں شتر ہوں یا گیو ماتا
ہم میں کیوں ضعف ہو جب دین سے یوں ٹپ پھرا
نجھے کرتے جو وہ مدعو کہتا میں بھی جھوم آتا
مسجدیں کیوں جھکیں جب توپ سے گر جانہ گرا

پیر مغاں سے رات کیا میں نے یہ گلا
مغموم ہوں یہاں بھی مزا کچھ نہیں ملا

اُس نے یہ مسکرا کے کہا از رہ مزاح جینے کی کس نے تم کو بڑھاپے میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض نود سالہ پیر مرد ابتک اڑا رہے ہیں درِ میکدہ کی گرد
کہنے لگا کہ اُن پہ عبث ہے تری نظر غفلت کا ہے وہ نشہ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبرؔ گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا ہم بھی کالے یار بھی کالا

کرتے تھے بتوں سے خوب جوڑا مانجھا رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اُسی کی اس صدی میں حضرت بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں چاچھا جاجھا

رحیمن پکاری کہ نیدھا بُوا عجب جانور ہے یہ کاکا توا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہہ دیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جس نے اسکو کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگرسی ہر سو مر گیا کول کا بوڑھا یہ چلو پاپ کٹا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے شاہ ایڈورڈ کی دُہائی ہے

نیچر نے دیدیا ہے پٹہ رجولیت کا کیونکر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا پاکٹ میں یہ بس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پر کھولا تو بس یہی لکھا تھا کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

استمال[۱] نہیں گر یٹ[۲] ہونا اچھا دل ہونا برا ہے پیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار انسان کو گریجوایٹ[۴] ہونا اچھا

۱ بالارادہ اصلی لفظ سے تجاوز کیا گیا ۲ چھوٹا ۳ بڑا ۴ سند یافتہ کالج ۱۲

بن پڑے تو قبلہ ہی بننا مناسب ہے تجھے
دقتوں میں وہ پھنسا جو اسکوا ٹر ہو گیا

دیدنی ہے یہ تماشائے مشین انقلاب
باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکوا ٹر ہو گیا

شیخ صاحب یہ تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات
آپ قبلہ بن گئے میں اسکوا ٹر ہو گیا

تخلیئے میں آج میں نے اُن کا بوسہ لے لیا
دیکھیئے ڈگری جو ہو دعویٰ تو دائر ہو گیا

اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پٹواری بنوں
یار کو شوق حساب مال و سائر ہو گیا

فکر دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث
مولوی بھی محو قانون و نظائر ہو گیا

دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مرئی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا

پری کی زلف میں اُلجھا نہ ریش واعظ میں
دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کیلئے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب ہے اب انکی باتوں پہ کان دھرتے نہیں ہیں لڑکے
کھنچا نہ دوست مولوی سے نہ تھا یہاں کوئی کان ایسا

تجلی سینے میں اسنے سوزش اڑا لئے اسنے زباں کے ٹکڑے
میں جلد جنت ہوا وہاں ہے کہ حقہ ایسا تھا پان ایسا

وہ ہنس کے بولا جگہ کہاں ہے دکھاؤں کاریگری جو اپنی
کہا تھا منکر سے میں نے اک دن بنا تو لے آسمان ایسا

عہد اسلام عہد انگلش میں
سنئے قول اکبر سخن گو کا

پہلے توحید تھی تو اب تحصیل
آگے غل ایک کا تھا اب دو کا

پکا لیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ممکن نہیں اُن کے حکم سے سر پھیروں
دل میں مرے اب تو اُن کا ڈر بیٹھ گیا

اُن کو یہ خوشی کہ اب رہیگا یہ غلام
مجھ کو یہ خوشی کہ قافیہ بیٹھ گیا

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا
کہتا نہیں کوئی کچھ بھی پڑھ پڑھ کے سوا

پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول پڑھنے کی نہ راہ
اور قبلہ کوئی نہیں علیگڈھ کے سوا

ہر ایک کو خوش کروں میں کیونکر صاحب
اپنی ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب

آسایش عمر کے لئے کافی ہے
بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب

تم نے جو سنا صحیح ہے ہاں صاحب
سچ کہتے ہیں وہ کہ ہم کو اس سے کیا کام
عربی سے گریز کرتے ہیں خاں صاحب
ہر کیمپ میں ہیں تو خانساماں صاحب

اندھیر مچا ہے زیرِ فلک خلقت بھی ہے چپ اور راج بھی چپ
صاحبزادے نشہ میں ہیں اور بیٹ کنوجی کی ہے ملفن
ہم دیکھ رہے ہیں آنکھوں سے پر کل بھی تھی اور آج بھی چپ
ہیں مولوی صاحب قبلہ بھی چپ اور پنڈت جی مہاراج بھی چپ

سکۂ زر بابوئے در دھوتی زرتار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
باوجودش نالہائے زار در اخبار داشت
گفت ما را خوف فیس و ٹکس در ایں کار داشت

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزورِ تیغ
می دمد آں بت کنار گنگ ناقوس طرب
یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزورِ موت
ندوۂ شیخم مگر در گومتی افتادہ است

در پسِ ہر گریہ آخر خندہ ایست
یاد دار ایں قول مولانائے روم
بعدِ ہر اسپیچ آخر چندہ ایست
مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست

پشہ بیدار است و پنکھا کش بخواب افتادہ است
اکبر بیچارہ امشب در عذاب افتادہ است

زرِ قوم سے لیکے ایسا ساماں کر دو
جس سے کہ تمہاری بزم بن جائے بہشت
حلوے مانڈے سے کام رکھو بھائی
مردہ دوزخ میں جائے یا پائے بہشت

پردہ میں ضرور ہے طوالت بیحد
انصاف پسند کو نہیں چاہیے ہٹ
تشبیہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں
بیگم ہے بیچوان لیڈی سگرٹ

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں
اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ
گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے کمٹ

شیطان نے دیا یہ شیخ جی کو نوٹس
آئندہ پڑھیں گے آپ لاحول اگر
بالکل ہی گیا ہے زور اب آپ کا ٹوٹ
فوراً داغوں گا اک ڈفیمیشن سوٹ[1]

شیطان کا سنا جو شیخ صاحب نے یہ قول
بولے کہ فضول تجھ کو یہ آتا ہے ہول
میں خود ہوں بدل گیا زمانے کے ساتھ
پڑھتی ہے مجھی پہ اب تو دنیا لاحول

[1] نالش ہتکِ عزت ۱۲

حضرت اکبر سے سنکر یہ لطیفہ بزم میں
سب ہنسے کچھ رُک گئے خون جگر کے پیکے گھونٹ
شیخ جی رفرت بنے پھرتے تھے پہلے چرچ پر
چشم بد دور اب بنے ہیں آپ کمسریٹ کے اونٹ

کودتے پھرتے ہیں یہ باغ میں ٹٹو کی طرح
باغباں دیکھے ہوئے بیٹھے ہیں الّو کی طرح
ان نئی روشنی والوں سے ہمیں ہے کچھ فیض
شب تاریک میں چمکا کریں جگنو کی طرح
آ گئی زلف مساں زلف بتاں پر غالب
پیچ ہوتے تھے بہم افعی و راسو کی طرح
اکبر اس عہد میں لو صبر و تحمل سے جو کام
اس سے بہتر ہے کہ غصہ کرو بابو کی طرح

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے تخ تخ
اور شیخ کے گھر میں ہیجگانے کی ہے تخ تخ
بہتر ہے یہی کہ بُت پرستی کیجئے
گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے تخ تخ

سحر مسلم شکایت با خدا کرد
کہ تفسیرش بہا دیدی چہا کرد
من از بیگانگان ہرگز نہ نالم
کہ با من انچہ کرد آں آشنا کرد

اکبر اگرچہ موسم باراں خوش است خوب
لیکن چو گوش و چشم دریں فصل وا کنید
مچھر دود کہ گوش لفبر باد بندہ نیز
بُھنگا رسد کہ گوشہ چشمے بہ وا کنید

بگو بہ سیٹھ کہ ادرا بھرم نخواہد ماند
بگو بہ برہمن ادرا دھرم نہ خواہد ماند
من ارچہ در نظر یار شرمسار شدم
رقیب نیز چنیں محترم نہ خواہد ماند

تمدن پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر
تلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی برہنہ پھریے اکبر
شاید پڑ جائے انکی رغبت کی نظر

جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے
کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
خدا کرے کوئی بُت آ کے یہ کہے مجھ سے
بٹھا بھی لے مجھے گھر میں مجھے مزید بھی کر
جو سُن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ
جو مہنا یا ہے اتنا تو آج لیید بھی کر

اس بت کے لئے ہے دہر میں فصل بہار
اک تخت رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہتا ہوں اُٹھاؤ اس کو یہ ہے مرا عرش
کہدو اکبر کہ میں فرشتہ نہ کہار

مخفیٔ شوق عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں ہو کر
تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا
مزے اب وہ کہاں باقی رہے بی بی میاں ہو کر
نہ تھی مطلق توقع بل بنا کر پیش کر دوگے
مری جاں لٹ گیا میں تو تمہارا میہماں ہو کر
حقیقت میں میں بلبل ہوں مگر چارے کی خواہش میں
بنا ہوں ممبر کونسل یہاں مٹھو میاں ہو کر
نکالا کرتی ہیں گھر سے یہ کہہ کر تو تو مجنوں ہے
ستا رکھا ہے مجھ کو ساس نے لیلیٰ کی ماں ہو کر
رقیب سفلہ خو ٹھہرے نہ میری آہ کے آگے
بھگایا مچھروں کو ان کے گھر سے دھواں ہو کر

پائے در پتلون و دل در پیشواز
چند روزے با ہمیں حالت بساز

سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز
لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز
تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھونسا
فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

آگے انجن کے دیں ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس
دیکھ کر ہم کو ایسی دلدل میں
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش
ہونے نہیں دیتا حسن کے راز کو فاش
کیوں وصل[1] میں جستجو کمر کی وہ کرے
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

بی شخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
کہتی ہیں شیخ سے بجوش و خروش
خواہ لنگی ہو خواہ تہمد
در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش

دل نے یہ کہا کہ دین کے جو ہوں دوست
ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض
میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر
اب شیخ کو بھی ہے چار پیسوں سے غرض

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف
دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے
بے رونقی دکان و دربار کا خوف

اونچے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھیر شریف

[1] جب معشوق پیش نظر ہو وصل کے یہی معنی ہیں ۱۲

اکبر کو یہ مجتبیٰ نے دی خوب صلاح
چل دیکھئے بھائی صاحب اجمیر شریف

سنتے ہی یہ کہا سبک نشینی میری
ہے قابل داد اگر کریں آپ انصاف

میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ شیس
ہے بارِ گراں و تلخ تقصیر معاف

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف
جو امر ہے واقعی گذارش کردوں صاف

انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کی خلاف

عالم بنیئے تو کیجئے بات کا شوق
مسٹر بنئے تو ہو مساوات کا شوق

چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھوں گا
مجھ کو بھی ہوا ہے اب اسی بات کا شوق

شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر
رات بھر کھیلا کریں دن بھر رہیں بالائے طاق

ہندو تھنتے ہیں تھام کر گائے کی سینگ
آغا گرمی دکھاتے ہیں زیچ کے مہنگ

لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پہ ناز
کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں جو ڈینگ

کیسی ترقی کیسا میل
ہم سے سن لو اس کا کھیل

جس کی لاٹھی اُس کی بھینس
فعل فعل فعل فعل

اکابر سے حساب دوستانہ نبھ نہیں سکتا
غلط فہمی بہت ہوتی ہے بڑھ ہی جاتی ہے مشکل

یہ کہہ کر پیش کر دے فرد اخراجات اے اکبر
حساب دوستاں در دل حساب خادماں در بل

کہتی ہے زراہ کبر مجھ سے وہ گرل
کیا تجھ سے ملوں کہیں کا تو ڈیوک نہ ارل

اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل و اشک
ہے میری گرہ میں بھی یہ روبی یہ پرل

خوشی سے میں نے کئے یہ لقبِ آم قبول
ادائے شکر ہیں اب ہو مرا سلام قبول

نہ میں سخن کا ہوں تاجر نہ طالب شہرت
اسی سے کرتی ہے پبلک مرا کلام قبول

زمانہ دیکھیئے کہتے ہیں پنڈت از رہ طعن
میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول

وحید صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے
بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول

سنی جو ہوں بت کمسن کی بول اٹھے آغا
کہ معتبر نہ شماریم مامتام قبول

[illegible]

مسوں کے ہوتے ہوئے کیوں بتوں کو میں دل دوں،
ملے حلال تو پھر کیوں کروں حرام قبول
منیر صورت مہر منیر تاباں ہوں
کریں خواص و عوام ان کا احترام قبول
نہ ہو جو وہسکی لندن تو گھر کا ٹھرا ہو
نہیں ہے بنگ کا مجھ کو تو کوئی جام قبول

سنہ ۱۸۱۷ء

اس قدر رنگ اڑا ہوگئے رنگیں اوراق
چوک میں پادری صاحب نے جو کھولی بیبل
سنکے اکبر نے کہا رنج نہیں کچھ اس کا
ہوگئی اب تو حقیقت میں یہ ہولی بیبل

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام
یاں تو ربانی کے افسانوں سے دل بریاں ہے
بابو ہی اچھے کہ اُن کو ہے فقط بھات سے کام
کہتے ہیں ہمکو جو چنڈو سے مہذب ہے وہی
اُسکے افعال سے مطلب ہے نہ عادات سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیک نام
اہل دانش میں مگر ہیں افزوں سے احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں
ہیں یہ سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق نوم
تھے مبتلائے حج و صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم
دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا
عشق بتاں شباب میں پیری میں عشق قوم

من العلم قلیلاً، کو بھی دیکھو بعد اوتیتم
نہ مانوگے تو اکدن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

تجھ کو کیا کسی کی ہوا نے فدائے گل
مجھ کو کیا کسی کی ادا نے فدائے قوم
آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم

آپ کی فرقت میں ہیں کل رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات بھی گاتا رہا رویا نہیں
نوش جاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا
چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں،
بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

ہم کیسا خالی ہوائی گولا چھوڑیں
کس جوگ کے بل پر اپنا ڈولا چھوڑیں

حضرت نے تو چھاؤنی میں رکھی ہے دُکان،
ہم کیوں اپنا محلّہ ٹولہ چھوڑیں

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں،
مگر اندھیرے اُجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سوپ[1] کا شائق ہوں یخنی ہوگی کیا
چاہیے کٹلٹ[2] یہ قیمہ کیا کروں

لیتھبرج کی چاہئے ریڈر مجھے
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں

کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف
پھر میں اپنے سر کو دھیما کیا کروں

ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر
پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں

چاند میں آیا نظر غار مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

زور پر ہی شہر میں طاعون چارہ کیا کروں
لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں

نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں
شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں

ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں
ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

بے سود اشعار اور کبت ہوتے ہیں
مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں

گر سچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار
یہ بُت تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں

سچ کہا اکبر نے ہاتھا پائی کا ہی کیا علاج
زورِ منطق سے تو ممکن ہی انھیں ساکت کریں

بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جو انکو چت کریں
ہے فقط یہ مدعا ان کی کمر ثابت کریں

شیخ جی فربہ تھے اُنکی طبع میں جدت کہاں
مغربی جوہر مگر بلغم کو چاہیں پت کریں

جسکو دُنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں

قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں
بنگالی بھائی اُن کا سر کھاتے ہیں

بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر
انکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

یوروپ والے جو چاہیں دلمیں بھر دیں
جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں

بچتے ہو ان کی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تیں ٹکڑے کر دیں

[1] انگریزی شوربا ۱۲ [2] انگریزی کباب ۱۲

کوٹھی میں جمع ہی نہ ڈپازٹ ہی بنکیس میں[1] — قلاش کردیا مجھے دو چار تھینکس[2] میں

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں — شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھہرے — خیر اسکو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

تشبیہیں کورس میں فارمولا[3] کر دی ہیں — عدیم الفرصتی سے انکی الفت ترک کرتے ہیں

آنکی صورت بہت اچھی ہے اسمیں شک نہیں — پھر مجھی کیا ذہن میں اسکا جواب ابتک نہیں
مجھ سے آخر آپ کو کیوں اسقدر وحشت یہ خوف — آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں ازبک نہیں

گو کہ وہ کھاتے پڈنگ اور کیک ہیں — پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ گیو می[4] کس ڈیر — سر جھکا کر کہتے یو می ٹیک[5] ہیں

تن رہے ہیں آپ فکر جاہ کے تیلون میں — میں گھلا جاتا ہوں فکر رزق کی افیون میں

حال دنیا سے بیخبر ہیں آپ — گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے — چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ — لگے کہنے یہ پھینک کر دھسّا
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید — تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمہاری نمود بس اتنی — جس طرح ہو پڑی پریڈ پہ لید

کل مست عیش و ناز تھے ہوٹل کے ہال میں — اب ہائے ہائے کر رہے ہیں اسپتال میں

دنیا اُسے قرار دو اور آخرت یہ ہے — سن لو کہ ساز معنی اکبر کی گت یہ ہے

سنا کے مصرع شیخ صاحب زیادہ ہنسا چکے ہیں — ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جاکے تھانے میں — کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ے کی طرف سے معذرت

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں — کیونکر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری بُرا نہ مانو سلے شیخ — وہسکی کی ہے لہر موج تسنیم نہیں

[1] بنک [2] شکریہ [3] انگریزی حساب کالج میں جسکی تعلیم ہوتی ہے [4] یعنی پیاری مجھکو بوسہ دو [5] یعنی آپ لے سکتے ہیں ۱۲

مچھروں نے بہت ستایا رات — میں نے کوسا کہ ہو تمھیں طاعون
بولے اس کا ہمارا منبع ایک — کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خوں

کہ گئے کل حافظ محمد حسین — تو ھدی سے بولے یہ حاجی تن
کہ کر دیجئے ان کی دعوت ضرور — وہ ہیں صاحب دانش و علم و فن
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی — ذرا دیکھ لیں رونق انجمن
وہ بولے مر ان کا کیا جوڑ ہے — میں گلڈنگ ہوں، وہ اسٹیلین

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں — اغیار ان پر گذرتے ہیں خندہ زناں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث — ہے سخت مضر یہ نسخۂ گاؤ زباں

یہ ہندوں ہی کی سوجھتے ہیں ان کو مضموں — دل شاد ہو اُس سے قوم یا ہو محزوں
لڑکے اُنھیں دیکھ کر مچاتے ہیں دھوم — یہ ہیں نئی روشنی کے چندا ماموں

اعزاز نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں — اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سید بننا ہو تو بنو سر سید — ہونا ہو خان تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اُٹھا ہے ترقی کے یہ ساماں تو ہیں — حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلماں تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا — تھیٹر و دیر میں سننے کیلئے کان تو ہیں
خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں یہ کہا — آپ کیوں جان مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
اُن سے ملنے میں ہے ایمان کا نقصان اکبر — خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں — جناب شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض محترم — اُس کا جو میں ہم زباں نہیں ہوں
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا — گو میں شرعی جواں نہیں ہوں
کرتا نہیں لیکن اسکی عظمت — اس کا افسانہ خواں نہیں ہوں

کرتا نہیں قوم پر اُسے پیش
عیاش ہوں قلتباں نہیں ہوں

فخریہ میں نے جو اشعار پڑھے سعدی کے
فخریہ آپ سنانے لگے نظم ملٹن
شیخ سعدی تو بزرگوں میں مرے تھے اید وست
آپ کے کون تھے ملٹن یہ سنوں حضرت من

بوسے جاڑوں میں لالہ گنگا دیں
دھوپ سے مجھ کو ہوتی ہے تسکیں

ڈاڑھی سورج کی تھام لیتا ہوں
مدعا یہ کہ گھام لیتا ہوں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
حضرت یہ تم قسمیں کھانا جب یاد کریں راجہ صاحب
دربار اودھ میں لے اکبر واللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
ملنے کا کسی سے ہو یہ مزا اک جوش طبیعت ہو پیدا
انجم میں سیر سے پہونچنے پر آگاہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

تھا تصور مالک آزادی رندانہ ہوں
لیکن اب بالکل اسیر انتظام خانہ ہوں
پہلے تھا اُس بت کے گرد اب ساتھ ہی بچوں کی فوج
عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مذہب نے کہا کہ جان سے عاری ہیں
آپس ہی کے لوگ باعث خواری ہیں
گویا قزاق تھے ہوئے ہیں اب اسیر
اپنوں ہی میں کچھ گواہ سرکاری ہیں

حیران ہیں اس زمانے میں ہم جی کے کیا کریں
جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کریں
تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہیں نصیب
پھر گھر میں بیٹھ کر بجز اسکے پی کے کیا کریں

شیخ کی وہ دھج نہیں وہ شیخ کی داڑھی نہیں
دوستی مذہب سے ہے پر اسقدر گاڑھی نہیں

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں
اور تیرے بیان کی دلآویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخوف
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

ہیں عمل اچھے مگر دروازہ جنت ہے بند
کر چکے ہیں پاس لیکن نوکری ملتی نہیں

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شیخ اسدؔ جو اناڑی ہی جو گھوڑے پہ چڑھے
لات دنیا پہ نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ
باگ گردن میں رکاب آکے پھنسی ان میں ہو
بیٹھکیں کر لو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
پھینکئے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

دقیانوسی طریق سے منہ موڑ دو
بھوکے سے کہو کہ حد تہذیب میں رہ
شیرازۂ مذہبی لغت کا توڑ دو
آنتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑ دو

نقطۂ مذہب سے تم میں عزت و وقعت کی ہے یہ بو
وگرنہ اور کیا نسبت کجا ولیم کجا کلو

بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو
ہم کو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح
با ہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

اونٹ نے گایوں کی ضد پر شیر کو ساجھی کیا
پھر ٹمٹیک سی بھی بدتر سب نے پایا اونٹ کو

جیسے رکھا چاہتے ہو باقی اپنی دسترس
منہ میں ہاتھی کی کبھی لے بھائی وہ گنا نہ دو

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ
مجھے بھی چکھوگے کیا رکھ کے خوان نعمت پر
جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
کباب کرتا ہے اب مجھ کو انتظار پلاؤ

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
بیٹھو بھی رہوگے اور مروگے بھی ضرور
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

صاحب سے اذن لیکے کرونگا میں عشق چشم
لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کا

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کے ساتھ
سب ہوئے اندوہگیں خون جگر سب نے پیا
داغ دل کو آسمان نظم پر چمکا دیا

پیتا ہوں شراب آب زمزم کے ساتھ
ہے عشق حقیقی و مجازی دونوں
رکھتا ہوں اک اونٹنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ
قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

قوم سے مجھ کی سفارش کیا کروں
نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ

ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید
خودکشی آسان کردیتی ہے یہ

غزل میری سنتے نہیں شیخ جی
تقدس کی بھی انتہا ہوگئی
تکلف کے پکوان میں دن ڈھلا
ہماری تو پوری سزا ہوگئی
اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ ہائے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہوگئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہوگئی

پیارا ہے ہمکو۔ شیخ ہمارا برا سہی
چاقو ولایتی نہیں دیسی چھرا سہی
اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہے
دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ بے سرا سہی

رہا کرتا ہے مرغ فہم شاکی
نئی تہذیب کی انڈے ہیں خاکی
چھری سے اُنکی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی
رہی رات ایشیا غفلت میں سوتی
نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی

ہے عجب انقلاب دنیا میں
کیا کہوں بات بھائی صاحب کی
اب وہ تسبیح پر بجائے درود
پڑھ رہے ہیں دُھائی صاحب کی

ہوئی جب آمد پیری ہوا میں سر کہ پشیانی
ترشروئی کی چتنی جوڑ ہے داڑھی ہو جب کھچڑی

سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

یکھ سین نہیں خوش آتے نہ بھاتے ہیں نرجی
میں زیل[1] کا طالب ہوں نہ خواہان ازجی
سنتا نہیں لکچر میں پڑا رہتا ہوں دن رات
لگتا ہے فقط لیڈیوں میں وقت ڈنرجی

کلپ میں محروم ہوں میں لطف خاطر خواہ سے
آگیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے

وضع مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی
اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھی

علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑگئی
تخلیئے کی بات پبلک کے دلوں میں گڑ گئی
وصل کی شب میں ذی اس سبب سے لڑائی تھی زباں
یہ اثر اس کا ہوا اردو سے ہندی لڑگئی

[1] سرگرمی سے سعی کی کوشش سے یعنی عربی و فارسی کے الفاظ داخل کرنے لگے ۱۲

سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی
بابو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا

توپوں کی مار سے بھی خدا کی پکڑ بڑی
اس وقت گو ہنگش نے ڈالی ہے گرہ بڑی

کچہریوں میں ہے پرسش گر بجو بیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقوے کی

سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور ملیچھوں کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی
ہنگامۂ موت بھی ہے اک جشن اکبر

پیمانۂ مے نہیں تو افیون سہی
گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی

لذت نان جویں تجھ کو مبارک اے شیخ
حضرت خضر ٹکٹ مجھ کو دلا دیں اک بار

مجھ گنہگار کو ہے صرف مشن کافی
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

وحشت نئی روشنی سے آخر گھٹی
کرکٹ جمنا سٹک ٹرننگ کالج

فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی
مولانا سیکھتے ہیں بالفعل نٹی

امور ملکی کی بحث میں تم جو ہندوؤں کے بنوگے ساتھی
وہ اپنا مکھن تم کو دینگے نہ اپنی روٹی وہ بانٹ دینگے
مگر وہ رہتے ہیں دور تم سے یہ لوگ ساتھی ہیں اور ہمدردی
ہزل کو اپنی جو چھوڑ کر تم انھیں کی شرکت کرو تو کل ہیں
نہ ہوگی حکام کو بھی وقت جو ہوگی اک جا ہر اک کی خواہش
جو مانگو گے ایک بھی مسلم دو کاٹ کر ایک بھی انک دینگے

نہ لاٹ صاحب خفا ہو دینگے نہ راجہ جی سے ملیگا کچھ بھی
پڑیگا موقع جو کوئی آکر تو دونوں ہی تم کو چھانٹ دینگے
ملی جلی ہیں سوسائٹی میں اسیر انہیں تو ہم میں گھسی
تو یہ کوئی نہ کہہ سکیگا تمہارے دشمن کہاں بغل میں
ضرورت انکو بھی یہ ہوگی کریں ہر اک سے علاوہ غوغش
جلاؤ گے پھر بھی منہ تو سب کو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دینگے

اُنکے دست نازنیں سے پانی پی[1]

اب کہاں باقی ہے ہم میں پانی پی[2]

آخر کو ہوئی وہ بات جو تھی ہونی
جو سست تھے ہو گئے ہیں ہشتر حیلم

مذہب مٹی ہے یا مٹی ہے دھونی
جو تیز تھے بن گئے ہیں پولیٹی نی

مذہب اور مولوی پہ گالی ہولی
دروازۂ مصطفی سے ہمپر کیوں بند

اسٹیج پہ انجمن میں تالی ہولی
ہر بات تیرے لئے جناب عالی ہولی

[1] جا گئے [2] تقدس ۱۲

سمنے جنگ اردو و ہندی
یہ بینے ہو اسمیں لطف وصل بتاں

میں یہ سمجھا بہ عالم رندی
خوب ملکر لڑی زباں سے زباں

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی
میٹھے پانی سے ہے زبان شیریں کام

القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی
جاں بخش حرارت غریزی نہ سہی

بھائی نے مجھے کل یہ بات بتلائی کی
جیسا موقع ہو بس بٹھا دو وہ نگیں

تفریق اڑا دو شیعہ سنی کی
ہیرے کی نہ شرط ہو نہ ضد چنی کی

ملتا نہیں گوشت خیر ہڈی ہی سہی
موقع جو پڑے پر قواعد کا نہیں

کچھ کھیل ضرور ہے بھسنڈی ہی سہی
چندہ تحصیل کر کبڈی ہی سہی

واہ کیا دھج ہے مرے بھولے کی
شکل کوئلے کی ہیٹ سونے کی

مری فغاں پہ مس ناشناس بول اٹھی
کہ بابوؤں میں تو عادت ہی غل مچانے کی

بجائیں شوق سے ناقوس برہمن اکبر
یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی

کوئی شورش نہیں ہے ہر طرح سے خیر سلا ہے
نہ سرگرمی پولس کی ہے نہ جاری مارشلا ہے

یہ کلکتہ[1] کی شوخی اور یہ ڈھاکہ کی ادا سمجھی
وہ اک فرنگی کبڈی ہے یہ لفظی گیند بلا ہے

یہ دیسی ورزشیں ہیں مغربی جمناسٹک ہو تو
نئے سن کی طنابیں ہیں کرسمس کا جھیلا ہے

مہمان فلک کہاں سکون پاتا ہے
آسودہ جو ہیں انھیں بھی ٹہلاتا ہے

ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
ظاہر ہے صریح پیٹ دوڑاتا ہے

در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے
بیچارہ بلا میں مبتلا روتا ہے

کہتا ہے وہ شوخ تال سم ٹھیک نہیں
کیا اسکی سنوں کہ بے سرا روتا ہے

نہ وہ ضعیف نہ وہ رسمیں نہ چیٹیا ہے نہ لٹیا ہے
مگر ہیں مختی کوئی قلی ہے کوئی مٹیا ہے

اٹھا تو تھا ولولہ یہ دل میں کہ صرف یاد خدا کرینگے
معاً مگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کرینگے

کہاں کے قبلہ کہاں کے قبلی جنید کیسے کہاں کے شبلی
عوض تصوف کے ہمنے طب لی بنینگے سرجن مزا کرینگے

[1] کانگریس سنہ ۵ کانفرنس ۱۲

اجل سے بھی یہ بچ نکلیں گے خائف مزاج سے اپنی ہو گئے واقف
اثر گر جی ہو مخالف تو آپ اپنی دوا کریں گے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے
کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غول بندی کیلئے
بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے

اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے
اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے
دیکھو جسے وہ پانیر آفس میں ہے ڈٹا
بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے
چشم جہاں سے حالت اصلی چھپی نہیں
اخبار میں جو چاہئے وہ چھاپ دیجئے
دعوےٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو
طول شب فراق کو تو ناپ دیجئے
سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات
انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے
اُس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا
زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

شیخ صاحب دیکھ کر اُس مس کو ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

نہ کچھ انتظار گزٹ کیجئے
جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے
بہت بھاتی ہے اسکے پھرتی مجھے
دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ کیجئے
کہاں کا حلال اور کیسا حرام
جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے
سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے
بگڑ جائے گا مِس سے سارا کھیل
بس ان لعبتوں پر نہ ہٹ کیجئے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے
اجل آئی اکبر گیا وقت بحث
اب اِف[1] کیجئے اور نہ بٹ[2] کیجئے

نہایت حکمت آگیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے
مزا شہرت کا دیجاتی ہے گو وہ ہیچ ہوتی ہے

نبض آپکی ہے سست بدن آپ کا یخ ہے
شاید جلی بیگم سے کسی بات پہ تخ ہے
پہونچا میں فلک پر جو نظر تم نے ملائی
شاید کہ میں تکّل ہوں نظر آپ کی نخ ہے
اپنے شجر حسن کی وہ خیر منائیں
عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوج ملخ ہے

---

[1] اگر [2] مگر ۱۲

خربے کو سدھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر
البتہ علی گڈھ کی لگی ایک یہ تیخ ہے

رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے
لیکن قربان حکمت پیر مغاں
منطق بھی ہے دلیل ملحد بھی ہے
دو مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے

دُھن نوکری کی ہے نہ پری ہو نہ حور ہو
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ رُو
اب فکر یاس کی ہو قیامت تو دور ہے
امید بے اصول سے اب دل نفور ہے

دن تو خبات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے
سلف ریکٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر
رات پریوں کی خوشامد میں گذر جاتی ہے
دیکھ تو غور سے دنیا کو کدھر جاتی ہے

نوکروں پر جو گذرتی ہے مجھے معلوم ہے
راہ میں لیسنس ہی کافی ہے عزت کے لئے
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ کا اچھا نہیں
تیز ئے کا اثر تھا نزع کی آمد نہ تھی
بس کرم کیجئے مجھے بیکار رہنے دیجئے
بس یہی لے لیجئے تلوار رہنے دیجئے
بیٹھئے گھر میں مجھے بیمار رہنے دیجئے
خیر اُٹھئے توبہ استغفار رہنے دیجئے

کامیابی کا سد لیشی پر ہر اک در بستہ ہے
جو بیج طوطا رام نے کھولی مگر بستہ ہے

مقام اگرہ

شو میکری[1] شروع جو کی اک عزیز نے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی
کہنے لگے ہے ایسی بھی اک بات نوک کی
جو تیلسہ ملاتے تھے بہرام گور سے
موریث تمہارے آئے تھے غزنیں و غور سے
روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتے کے زور سے

موکل چھٹے اُن کے پنجے سے جب
پپیہے پکارا کئے (P) پی کہاں
تو بس قوم مرحوم کے سر ہوئے
مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے

پردے کے واسطے تو بحث بیقرار ہے
آغا تقی میں حسن نہ اب وہ سنگار ہے
زاہد ایسے بے خبر ہیں اب ٹرے خمار سے
پردہ درون کا راز تو خود آشکار ہے
پردہ اُٹھا کے دیکھو تو کوا گہار ہے
جس طرح بابو کو ہے بیگا نگت تلوار سے

[1] جوتا بنانا

پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے
کالج سے ہے نجات تو ذکر حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک باغ ہے میرا کلام
اسمیں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالامار ہے

سوئے فلک چلے جو غبارے میں بیٹھ کر
منہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مڑ چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکر خدا کہ اب تو یہ بابو بھی اڑ چلے

سینۂ مس کا ابھار اے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں باد نجان باد انگیز ہے
عدل انگلش مین سے تو نیند آ رہی ہے شیخ کو
بابوؤں کی شورش البتہ جہاد انگیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کیساتھ ہیں
اسکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤ گے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

ہر اک ریمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھ کو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھ سے کہا کہ گو زشتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہدیا کہ تو گو برگنیش ہے

یاروں کو فکر روز جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انھیں رہ عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیسکل پہ گذریں گے ہم پل صراط سے

خلقت اسی سمت صفت بہ صفت جاتی ہے
باعود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
ہے نور خدا ابھی طالب رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوش بیخش
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے
یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق میں
اردو کی تین جز یہی عاف صاف ہے

ذوق معنے نہیں مجھے اکبر
سن لے یہ بات گر تجھے شک ہے
شیخ سے چھوٹے اٹھے انجن میں
اسمیں بک بک تھی یہیں بھک بھک ہے

ہر چند کہ مجھ کو اعتقاد اب تک ہے
تاہم بلحاظ وقت لیکن شک ہے

بیٹھے تو بہت ہی سر جھکا کر ہیں حضور
کیا جانیے مراقبہ ہے یا پینک ہے

کی ہے معدے نے کمیٹی پیٹ میں
بائی لاہر رگ کے اندر بلٹین ہے

حضرت نزلہ ہیں صدر انجمن
دم بدم ان کی بھی اک تحریک ہے

تیرے قدم سے رونق شہر پراگ ہے
یعنی ترے ہی دم سے بتوں کا سہاگ ہے

بھڑکی ہے دل کی آگ گوالن کے عشق میں
احباب ہنستے ہیں کہ یہ کنڈے کی آگ ہے

سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشق تباں اک روگ ہے
لیکن اسکو کیا کریں ملتا جو موہن بھوگ ہے

شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھ کو قبول
ٹال دیتے ہیں یہ کہہ کر آپ کالا لوگ ہے

دیکھوں عروس دہر کو کیوں آنکھ کھول کے
بہتر یہی ہے کام نکالوں ٹٹول کے

جو مرد ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے میل سے
سچ ہے خبیث ملتے ہیں ایسی چڑیل سے

پھر کیجیے پیچھے پھر ہے ڈاڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ کھول ڈالیے
اکدم میں کل متاع سخن تول ڈالیے

ترکیب ہے ترقی اردو کی بس یہ خوب
جو آپ بول سکتے ہیں سب بول ڈالیے

واہ اکبر بس مقیم کول ہو کر رہ گئے
خود فروشی کی نہیں انمول ہو کر رہ گئے

عرض و طول ہند میں تمنے نہ دوڑائے خطوط
دل کشی مرکز میں پائی گول ہو کر رہ گئے

ہم سے شب وصال وہ بیمیل ہو گئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے

درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برا سلیب
سب کی نظر میں گھی تھے مگر تیل ہو گئے

بوڑھوں نے پہلے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل
ان کی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے

اے شیخ جب نکیل نہیں دست قوم میں
پھر کیا خوشی جو اونٹ نرے ریل ہو گئے

ہم بھی کلیل کرنے لگے گائے کیطرح
اس ملک میں بھی حضرت گوکھیل ہو گئے

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے
ہے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے صحیح
لیکن خوش ہو جیے کہ نام آپ کا ہے

مذہب جس کی نظر سے بالکل گم ہے
کیونکر میں کہوں وہ داخل مردم ہے
شائستہ جو ہو تو اُس کو یونّی سمجھو
ایسا جو نہ ہو تو اک خرِ بے دُم ہے

(آیندہ اردو زبان کا نمونہ)

بابو جی کا وہ بُت ہوا نوکر
غیر اسکو پیام دیتا ہے
بابو کہتے ہیں وہ نہ جائے گا
میرے انڈر میں کام دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک تبکدے میں صرفِ ایماں کیجئے
تا کجا عشقِ بتان سست پیماں کیجئے
ہے یہی بہتر علیگڈھ جا کے سیّد سے کہوں
مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو مسلماں کیجئے

جب اگلا کورس خارج ہو گیا تعلیم طفلاں سے
تو اب اغراض ہم کیونکر کریں تعلیم نسواں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے
اپنے رُخ سے یہ منہ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھ کر قانون کے
شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

نہیں کچھ گفتگو اسمیں یقیناً تیز ہیں حضرت
بس اتنی بحث باقی ہے یہ چھینا ہے کہ انجن ہے
چمک تیغوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا
مگر یہ دیکھ لو گٹھا ربر کا ہے کہ گردن ہے
مدار کار جب ہو اتفاق و عقل و حکمت پر
تو اس ہی جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہے

راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے
اب تو جاگو ایشیائی بھائیو
نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے
ہو مبارک جستجوئے خضر انھیں
ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لئے
اب تھیٹر میں ہنسینگے جا کے خوب
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے

دھمکا کے بوسہ لوں گا رُخ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چٹھی اُس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے

ایسی پری اور مجھ کو پیارا لکھے
القاب میں دیکھیے ڈیر کلو ہے

ہندی مسلم میں ہند کی بو بھی ہو
افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہو

اللہ اللہ ہے زباں پر بیشک
لیکن اک رنگ بم مہادیو بھی ہو

بُرا ہوا کہ رقیبوں میں بڑھ گئے بابو
ذرا سی بات ہوئی اور یہ گئے تھانہ چلے

حریص زر کی میت پر یہ بولا طالب قوت
جو مل جائے تو اسکو کھاؤں یہ کہنے کا کشتہ ہے

ہیں لمپ عزیز شمع بیگانہ ہے
جلتا ہے چراغ سے جو فرزانہ ہے

سکتی ہے مسوں کے رُخ روشن پہ نگاہ
جو ہے نئی روشنی کا پروانہ ہے

عبث انکا گلہ ہے مستغیثہ بولتی کیوں ہے
کوئی پوچھے تو ناحق تم نے ڈالی اولتی کیوں ہے

آپ کی انجمن کی ہے کیا بات
آہ چھپتی ہے واہ چھپتی ہے

حکمتوں سے ہوئی ہے جز و کم
روح بھی اب تو کورس جپتی ہے

اس غرض سے کہ سینہ پوش نہو
شیخ کی ریش روز بنتی ہے

پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا
کس قدر یہ زمیں تپتی ہے

جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اسنے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اُسنے

مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اُسنے

کہا جو میں نے کہ ان کی ادا انوکھی ہے
کہا بتوں نے کہ اردو میاں کی چوکھی ہے

نکتہ یہ سنا ہے ایک بنگالی سے
کرنا ہو بسر جو تم کو خوش حالی سے

خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ
غصہ آئے تو کام لو گالی سے

انکی تحریکوں سے یوں رہتی ہے دنیا بے چین، ممبری کے لئے لپکا مری جانب اک غول	جس طرح پیٹ میں بیمار کے بائی دوڑے گائے موٹی نظر آئی تو قصائی دوڑے
مار کر دم رہ گئے کیڑے مکوڑے رہ گئے خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سد راہ پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب	صورتیں تو ہیں مگر انساں تھوڑے رہ گئے گر گئے سنگ نشاں سڑکوں پہ روڑے رہ گئے اب ہمارے وارث ایسے ہی گوڑے رہ گئے اونٹ رخصت ہو گئے پولو کے گھوڑے رہ گئے
جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنس کر	مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے
عاشقی کا ہو برا اُسنے بگاڑے سارے کام	ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے
پردہ کا مخالف جو سنا بول اُٹھیں بیگم	اللہ کی مار اسپہ علیگڈھ کے حوالے
کھائی قرگانِ نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ	آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے
دیکھ لو حال مرا آہ کی حاجت کیا ہے پیچھے انجمن کی بس اب ہو لیں مسلماں بھائی داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو	دو اور اک تین پہ واللہ کی حاجت کیا ہے اب نہیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے
ناک رگڑی برسوں اس ارمان میں	سن لیں میری بات اک دن کان میں[۱]
قصۂ منصور سنکر بول اُٹھی وہ شوخ مس کاش اے اکبر وہی حالت مجھکو بھی پیش آئے	کیسا[۲] احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا اور یہ کافر پکارے در پناہِ من بیا
کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہونگا حاضر عنقریب	طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے
ملتا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی میں قوم کی فربہی کا مشتاق نہیں	نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی بس جانیے میری عقل موٹی ہی سہی
نفرت تھی مجھکو بیشک مچھر کے بولنے سے	کہتا تھا اپنے دل میں بیچارہ کیا برا ہے

۱؎ واہ کیا ناک اور کان ہیں! اب بھی شاعری ہے ۱۲ ۲؎ نقل کفر کفر نہ باشد ۱۲

آخر کھلا یہ عقدہ نفرت کا مجھ کو اکبرؔ
آواز بے تکی ہے کمبخت بے سُرا ہے

چند ذرّے کیمیا سے رنگ کی پڑیا بنے
شیخ صاحب ہوش ہی کھو بیٹھے اور گڑیا بنے

مغربی گل نے مجھ کو پیسا ہے
سرا چونا ہے اور کلیسا ہے
آپ ہی گا کے جھوم لیتے ہیں
باربُد ہے نہ اب نکیسا ہے

نکالا شیخ کو مجلس سے اُسنے یہ کہہ کر
یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

تم ناک چڑھاتے ہو میری بات پہ اے شیخ
کھینچوں گا کسی روز میں اب کان تمہارے

عادت جو پڑی ہو ہمیشہ سے وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے ٹوپی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے
عمر سب مفت میں کھویا کئے نادان رہے

طاقت اسلام کی کہتی تھی مسلمانوں سے
جب میں جانوں کہ میرے بعد میرا دھیان رہے

انکی سب سنتے ہیں اپنی نہیں کہہ سکتے کچھ
کیا قیامت ہے زباں کٹ گئی اور کان رہے

تھی بہت انکو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر
بولے مسجد کے تکیے کا بھی سامان رہے

راحت جاں ہے تری نظم دلاویز اکبرؔ
تندرستی رہے ایمان رہے جان رہے

ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو،
کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہباں رہے

انگریز میں عظمت جہانبانی ہے
ہم میں اک شان علم روحانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں،
بازو نہ قوی نہ قلب نورانی ہے

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر
نامی پریس لکھنؤ میں چھپا
جولائی ۱۹۳۱ء